ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 22 شمارہ 08 مارچ 2025ء - شعبان/رمضان 1446ھ

جلد 22 شمارہ 08

ماہنامہ
التبلیغ
راولپنڈی

مارچ 2025ء - شعبان/رمضان 1446ھ

بشرفِ دعا
حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ
وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد ناصر
مولانا طارق محمود
مولانا محمد ریحان

فی شمارہ.................... 50 روپے
سالانہ .... 500 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....ناجائز تجاوزات کے خلاف آپریشن.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آل عمران: قسط60).....احکامِ الٰہی میں ثمنِ قلیل کا عوض، اور گناہ پر خوشی.....// // 5

درسِ حدیث.....روزہ میں گناہوں سے حفاظت.....// // 9

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات.....مفتی محمد رضوان 15

علم کے مینار: .....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (ستائیسواں حصہ).....مفتی غلام بلال 17

تذکرۂ اولیاء: .....عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں نئی ریاستی اصلاحات (قسط5).....مولانا محمد ریحان 21

پیارے بچو!.....رمضان کی برکت.....// // 23

بزمِ خواتین .....زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ6)....مفتی طلحہ مدثر 25

آپ کے دینی مسائل کا حل.....''چشتی واشرف علی رسول'' کی تحقیق (قسط4).....ادارہ 28

کیا آپ جانتے ہیں؟...''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط1).....مفتی محمد رضوان 36

عبرت کدہ .....حضرت موسیٰ اور خضر (حصہ:11).....مولانا طارق محمود 53

طب وصحت.....روزہ اور مریض.....حکیم مفتی محمد ناصر 55

اخبارِ ادارہ .....ادارہ کے شب وروز.....// // 58

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال مفتی محمد رضوان

ناجائز تجاوزات کے خلاف آپریشن

آج کل پاکستان کے صوبہ پنجاب بھر میں پنجاب کی موجودہ وزیرِ اعلیٰ ''مریم نواز'' کے خصوصی احکامات پر ناجائز تجاوزات کے خلاف آپریشن جاری ہے، جس کے نتیجہ میں کئی شہروں میں بڑی تیزی سے راستے کشادہ کردیئے گئے ہیں، جہاں سے گذرنا اور آمد ورفت کرنا بہت آسان ہوگیا ہے، اور بازاروں، اور راستوں میں رونقیں نظر آنے لگی ہیں۔

پنجاب حکومت کا یہ اقدام اکثر عوام کے لئے خوش آئین ہے، کیونکہ اس اقدام سے اگر چہ بعض لوگوں کو جزوی نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، اس لئے کسی اہم بڑے، اور اجتماعی مقصد کو پانے کے لئے اگر جزوی نقصان بھی ہوجائے، تو اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، ورنہ تو ملک میں کوئی بھی اچھا کام انجام دینا ممکن نہیں، کیونکہ ہر کام سے کچھ نہ کچھ نقصان بھی ہوتا ہے، خاص طور پر جب کوئی بڑے پیمانہ پر اجتماعی کام کیا جائے، تو اس میں بعض لوگوں کا واقعی درجہ میں نقصان ہوجانا، بعید نہیں ہوا کرتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا نقصان ہوگیا، ان کا کاروبار تباہ ہوگیا، اور گھر کا نظام چلانا مشکل ہوگیا، وغیرہ وغیرہ۔

ان لوگوں کی اس بات کو اگر مان لیا جائے، تب بھی ان کا اعتراض کرنا درست نہیں بنتا، کیونکہ سرکاری وعوامی راستوں اور گذرگاہوں میں بیٹھ کر اور دوکانیں قائم کرکے گذرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا کرنا، شرعی وقانونی اور اخلاقی اعتبار سے جائز نہیں۔

اس لئے جب کوئی ایسا کام کرے گا، تو اس کو منع کرنا، اور زبان، ہاتھ، جس سے قدرت ہو، اس کو روکنا بالکل درست ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ زبان سے اس کام سے منع کرنے کا لوگوں پر اثر نہیں ہوتا، اس لئے حکومت کا ہاتھ اور طاقت کے ذریعہ اس منکر سے روکنا، بالکل درست اقدام ہے، بے شک کسی کا نقصان ہو، یا فائدہ ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

www.idaraghufran.org

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں آج سے پہلے حکومتیں اس سے منع نہیں کرتی تھیں، بلکہ حکومت کے کارندے بھتے تک وصول کر کے ان چیزوں کو سندِ جواز فراہم کرتے تھے، تو آج وہی حکومت اپنے ہاتھوں سے ان چیزوں کو تباہ کرنے میں لگی ہوئی ہے، جو چیزیں اس کی سرپرستی میں اور اس کی اجازت سے شروع ہوئی تھیں؟

لیکن ان لوگوں کی یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ اول تو شروع دن سے یہ کام منع اور ناجائز تھا، اور کسی حکومت، یا اس کے کارندوں کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہوا تھا، بلکہ اس پر رشوت اور بھتہ کا لین دین کرنا دھرا جرم و گناہ تھا۔

دوسرے اگر سابق حکومتیں کوئی ایسا کام نہیں کر سکیں، جو کہ اچھا، بلکہ ضروری کام تھا، اور ان حکومتوں کے فرائض منصبی میں داخل تھا، تو اس میں وہ تمام حکومتیں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے مجرم تھیں، لیکن جو حکومت اس جرم سے اپنے آپ کو بچاتی ہے، تو وہ کیسے مجرم ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ جن حکومتوں نے اپنی ذمہ داری کو اداء نہیں کیا، اصل مجرم وہ ہیں، جن کے ساتھ ناجائز تجاوزات کرنے والے عوام اور بھتہ خوری کرنے والے افراد بھی سب کے سب مجرم ہیں، لیکن جو حکومت درست کام کرے اور اپنی کسی ذمہ داری کو نبھائے، وہ مجرم نہیں۔

اس طرح کی اور بھی جو جو باتیں کی جاتی ہیں، ان کی حیثیت بھی اسی نوعیت کی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ حکومت کے اختیار و قدرت میں جہاں تک ممکن ہو، متاثرین کے تعاون اور مدد میں کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

اسی طرح پنجاب کی موجودہ حکومت کی طرف سے ملک بھر میں اور بھی بڑے بڑے منصوبے شروع ہیں، اور بہت سے منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں، جو ملک اور بطور خاص صوبہ پنجاب کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے، اور پنجاب حکومت کی طرف سے کئی کام اب تک مختصر عرصہ میں ایسے سامنے آ چکے ہیں کہ جن کی اس سے پہلے کسی بھی حکومت کو توفیق حاصل نہیں ہو سکی تھی، اور امید ہے کہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا، تو بہت جلد صوبہ بھر کا نقشہ پلٹ کر رہ جائے گا، اور یہ صوبہ دنیا بھر کے لئے ایک مثالی صوبہ بن کر ابھرے گا۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو، بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی اسی طرح سے کاموں کا سلسلہ آگے بڑھے۔ آمین۔

درسِ قرآن (سورہ آل عمران: قسط60، آیت نمبر187 تا189) مفتی محمد رضوان

احکامِ الٰہی میں ثمنِ قلیل کا عوض، اور گناہ پر خوشی

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (۱۸۷) لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۸۸) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۸۹) (سورۃ آل عمران)

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے پختہ عہد ان لوگوں سے جن کو دی گئی کتاب کہ یقیناً ضرور بالضرور بیان کرو گے تم اس کو لوگوں کے لئے، اور نہیں چھپاؤ گے تم اس کو، پھر ڈال دیا، انہوں نے اس (کتاب) کو اپنی پشتوں کے پیچھے، اور خرید لیا انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی قیمت کو، پس برا ہے وہ جو خرید تے ہیں وہ (۱۸۷) نہ ہرگز خیال کرو تم ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں، ان کاموں سے جو کیے انہوں نے، اور پسند کرتے ہیں وہ، یہ کہ تعریف کی جائے ان کی، ان کاموں پر جو نہیں کیے انہوں نے، پس نہ ہرگز گمان کرو تم ان کو بچنے والے، عذاب سے، اور ان کے لئے عذابِ الیم ہے (۱۸۸) اور اللہ ہی کے لئے ہے، حکومت آسمانوں کی اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (۱۸۹)

(سورہ آل عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا کہ ان سے اللہ کی طرف سے یہ پختہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے لئے اللہ کے احکام کو واضح طور پر بیان کریں گے، اور ان کو چھپائیں گے نہیں، لیکن انہوں نے اللہ کے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا، اور اس کے

عوض میں دنیا کی تھوڑی سی قیمت، یعنی مال، یا جاہ وعہدہ کو خرید لیا، ان کی یہ خرید وفروخت بہت بری ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اللہ کے احکام میں گڑبڑ کرکے، جو مال ومنصب حاصل کیا جائے، وہ بہت گھٹیا، اور حقیر عوض ہے، خواہ وہ دنیا کی نظر سے کتنا ہی زیادہ محسوس کیوں نہ ہو، بہرحال اس کی حیثیت ''ثمنِ قلیل'' ہی کی رہتی ہے۔

پھر اگلی آیت میں ان لوگوں کی برائی بیان فرمائی، جو اپنے غلط کاموں پر خوش ہوتے ہیں، اور جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر اپنی تعریف کئے جانے کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ گمان نہ کرو کہ یہ اللہ کے عذاب سے بچ پائیں گے، ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ بلاشبہ آسمانوں اور زمین پر حکومت، اللہ کی ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری اور مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے عذاب سے بچ پانا بھی کسی کے اختیار وقدرت میں نہیں۔

بعض لوگ اس آیت کے متعلق نہایت احمقانہ شبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ اگر ہر چیز پر قادر ہے، تو کیا اپنے جیسا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے؟

حالانکہ یہ شبہ ہی سرے سے غلط ہے، جس کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ جو اللہ جیسا ہوگا، وہ اللہ کا شریک ہوگا، اور اللہ کے لئے شریک ہونا محال وناممکن ہے، کیونکہ اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا، اور جس چیز کو بھی اللہ پیدا کرے گا، وہ پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ جیسی ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ وہ پوری طرح اللہ کی مخلوق ومملوک اور محکوم ہوگی، اس لئے وہ اللہ کی طرح ہرگز نہیں ہوسکتی، پس ایسا محال وناممکن شبہ کرنا ہی بے بنیاد ہے۔

اب مذکورہ آیات سے متعلق چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت ابنِ ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ مَرْوَانَ قَالَ لِبَوَّابِهِ :اذْهَبْ يَا رَافِعُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْ :لَئِنْ كَانَ كُلُّ امْرِءٍ فَرِحَ بِمَا أُوتِيَ، وَأَحَبَّ أَنْ يُحْمَدَ بِمَا لَمْ يَفْعَلْ مُعَذَّبًا، لَنُعَذَّبَنَّ أَجْمَعُونَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :وَمَا لَكُمْ وَلِهَذِهِ إِنَّمَا دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودَ فَسَأَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكَتَمُوهُ إِيَّاهُ، وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ فَأَرَوْهُ أَنْ قَدِ اسْتَحْمَدُوا إِلَيْهِ، بِمَا أَخْبَرُوهُ عَنْهُ فِيمَا

سَأَلَهُمْ، وَفَرِحُوا بِمَا أُوتُوا مِنْ كِتْمَانِهِمْ، ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ" كَذَلِكَ حَتَّى قَوْلِهِ: "يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا" (صحيح البخاری، رقم الحديث ۴۵۶۸، باب لا يحسبن الذين يفرحون بما أتوا)

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وقاص فرماتے ہیں کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے خادم سے کہا کہ اے رافع! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے معلوم کرو کہ جو شخص اس چیز سے خوش ہو، جو اللہ کی طرف سے اسے بطور نعمت دی گئی ہے، اور بغیر کسی کام کے کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے، تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا؟ (یہ اگر صحیح ہے تو پھر) تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے، تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کو اس بات سے کیا مطلب؟ تم جس آیت سے یہ خیال دل میں لائے ہو، وہ بات تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ یہودیوں کو بلا کر کوئی بات دریافت کی، انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا، اور غلط بات بتا دی، اور یہ خیال کرنے لگے کہ چلو مفت میں ہماری نیک نامی ہوئی، اور وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے، اس کے بعد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے آیت ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' سے آیت ''يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا'' تک پڑھی (بخاری)

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ:

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ " :لَوْلَا مَا أَخَذَ اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ مَا حَدَّثْتُكُمْ بِشَيْءٍ، ثُمَّ تَلَا "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ". (المستدرک للحاکم، رقم الحديث ۳۶۶) [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اہلِ کتاب سے (بیان کرنے کا) عہد نہ لیا ہوتا، تو وہ تمہیں کچھ بھی بیان نہ کرتے، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَا أَعْلَمُ لَهُ عِلَّةً وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخيص: لا أعلم له علة.

www.idaraghufran.org

(سورہ آل عمران کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ'' (حاکم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ، وَفَرِحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلاَفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَذَرُوا إِلَيْهِ، وَحَلَفُوا وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا، فَنَزَلَتْ :(لَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا) الآيَةَ(صحیح البخاری،رقم الحدیث۴۵۶۷،باب لا یحسبن الذین یفرحون بما أتوا)

ترجمہ: منافقوں میں سے بعض لوگ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی طرف نکلتے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے رہ کر خوش ہوتے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لاتے، تو وہ آپ کے پاس آ کر عذر و معذرت کیا کرتے تھے، اور حلف اٹھاتے تھے، اور اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا، اس پر ان کی تعریف کی جائے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

نہ ہرگز خیال کریں وہ لوگ جو خوش ہوتے ہیں، ان کاموں سے جو کئے انہوں نے، اور پسند کرتے ہیں وہ، یہ کہ تعریف کی جائے ان کی، ان چیزوں پر جو نہیں کیا انہوں نے (بخاری)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

[1] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوا إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ، وَفَرِحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَذَرُوا إِلَيْهِ، وَحَلَفُوا وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَنَزَلَتْ :(لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ(صحیح مسلم،رقم ال حدیث ۲۷۷۷"۷")

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

روزہ میں گناہوں سے حفاظت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ: تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ (سنن الترمذی،رقم الحدیث ۲۰۰۴،ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق،سنن ابنِ ماجه،رقم الحدیث ۴۲۴۶) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنت میں لوگوں کا زیادہ کس وجہ سے داخلہ ہوگا؟ تو فرمایا کہ اللہ کے تقویٰ اور حسنِ خلق کی وجہ سے۔

پھر سوال کیا گیا کہ لوگ جہنم میں زیادہ کس وجہ سے داخل ہوں گے؟ تو فرمایا کہ منہ اور شرم گاہ کی وجہ سے (ترمذی، ابنِ ماجہ)

روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے، اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری،رقم الحدیث ۱۹۰۳، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور، والعمل به فی الصوم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہ

---

[1] قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَوْدِيُّ. قال شعیب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشیة سنن ابنِ ماجه)

چھوڑے،تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحْدَهُ وَلٰكِنَّهُ مِنَ الْكِذْبِ وَالْبَاطِلِ وَاللَّغْوِ وَالْحَلْفِ (مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۸۹۷۵، کتاب الصیام، باب ما یؤمر به الصائم من قلة الکلام وتوقی الکذب)

ترجمہ: روزہ صرف کھانے اور پینے سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل، لغو باتوں اور جھوٹی قسموں سے بچنا بھی ضروری ہے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَلَا إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، وَلٰكِنْ مِنَ الْكِذْبِ وَالْبَاطِلِ وَاللَّغْوِ (شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث ۳۳۷۲، کتاب الصیام، باب الصائم ینزه صیامه، عن اللغط والمشاتمة، وما لا یلیق به)

ترجمہ: خبردار کہ روزہ صرف کھانے اور پینے سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل اور لغو باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے (شعبُ الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اسی قسم کی حدیث مروی ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ روزہ میں صرف کھانے اور پینے سے بچنے ہی کا اہتمام کافی نہیں، بلکہ جھوٹ، باطل اور لغو باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے، اور جو شخص روزہ رکھ کر گناہ کے کام خاص کر زبان کے گناہ، مثلاً جھوٹ، غیبت، بہتان، تہمت، گالی گلوچ، لعن طعن، جھوٹی گواہی اور قسم وغیرہ نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے روزہ کو شرفِ قبولیت عطاء نہیں فرماتا، کیونکہ اس قسم کی چیزیں تو روزہ کے علاوہ بھی گناہ ہیں، اور روزہ رکھ کر گناہوں سے بچنا، زیادہ ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ اس

---

[1] عن أبی هریرة -رضی الله عنه -أن النبی صلی الله علیه وسلم قال:(لیس الصیام من الطعام والشراب؛ إنما الصیام من اللغو والرفث (الترغیب والترهیب لقوام السنة، رقم الحدیث ۱۷۷۴)

www.idaraghufran.org

کے لئے روزے کو فواحش ومنکرات اور گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے، روزہ کی حالت میں ہو اور آدمی بدکلامی، یا بدعملی کرے، یہ اس کو زیب نہیں دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ:إِنِّيْ صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ (بخاری،رقم الحدیث ۱۸۹۴،کتاب الصوم ،باب فضل الصوم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال (یعنی گناہ اور عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ) ہے، پس روزہ دار نہ تو بے شرمی کی بات کرے، اور نہ جہالت کی، اور اگر کوئی آدمی اس سے لڑے جھگڑے، یا گالی گلوچ کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ دو مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ، فَلَا يَرْفُثْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَسْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ:إِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ(مسلم،رقم الحدیث ۱۱۵۱"۱۶۳" کتاب الصیام،باب فضل الصیام)

ترجمہ: اور روزہ ڈھال (یعنی گناہ اور عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ) ہے، اور جب تم میں سے کسی کا کسی دن روزہ ہو، تو گندی باتیں نہ کرے، شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ، یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں (گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا میرا کام نہیں) (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ، إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، فَإِنْ سَابَّكَ أَحَدٌ أَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَلْتَقُلْ:إِنِّيْ صَائِمٌ، إِنِّيْ صَائِمٌ (صحیح ابن خزیمة،رقم الحدیث ۱۹۹۶،کتاب

الصيام، باب النهى عن اللغو فى الصيام) [1]

ترجمہ: روزہ (درحقیقت صرف) کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ روزہ بے ہودہ اور شہوت پرستی والی باتوں سے رکنے کا نام ہے، لہٰذا اگر آپ کو (روزہ کی حالت میں) کوئی گالی دے، یا کوئی جہالت والی حرکت کرے، تو آپ کو چاہئے کہ یہ کہہ دو کہ میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں (ابنِ خزیمہ)

مطلب یہ ہے کہ روزہ دار خود سے بے ہودہ اور شہوت پرستی والی باتوں سے بچنے کا اہتمام کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ ایسی حرکت کرے کہ جس کے نتیجہ میں بے ہودہ، یا شہوت پرستی والی حرکت، مثلاً گالی گلوچ، بدنظری، زنا وغیرہ کی نوبت آئے، تو وہ اس سے یہ کہہ کر اعراض کرے کہ میں روزہ سے ہوں، اور روزہ دار کو اس طرح کی حرکات زیب نہیں دیتیں۔

بعض روزہ دار روزہ کی حالت میں بڑی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر بیوی سے لڑنا، بچوں کو پیٹنا، ملازمین کو ڈانٹنا، غرضیکہ ان کا روزہ رکھنا، دوسروں کے لئے ایک آفتِ ناگہانی بن جاتا ہے، یہ بڑی معیوب بات ہے۔

بعض لوگ لڑتے جھگڑتے تو نہیں، لیکن گرمی اور بھوک و پیاس ہی کا شکوہ شکایت کرتے رہتے ہیں، جب ان سے ملو، ان کے پاس یہی قصہ ملتا ہے اور بعض لوگ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہائے ہوئی کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، یہ سب بے صبری کی باتیں ہیں، جن سے روزہ دار کو بچنا چاہئے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَابَّ وَأَنْتَ صَائِمٌ، فَإِنْ سَابَّكَ أَحَدٌ فَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ، وَإِنْ كُنْتَ قَائِمًا فَاجْلِسْ (صحيح ابن خزيمة، رقم

---

[1] قال الأعظمى :إسناده صحيح(تعليق صحيح ابن خزيمة)

[2] (ليس الصيام)فى الحقيقة (من الأكل والشرب)وجميع المفطرات (إنما الصيام)المعتبر الكامل الفاضل (من اللغو)قول الباطل واختلاط الكلام (والرفث)الفحش فى المنطق والتصريح بما يكنى عنه من ذكر النكاح حول المعنى فيه من الظاهر إلى الباطن على وزان ما سبق (فإن سابك أحد أو جهل عليك فقل)بلسانك أو بقلبك وبهما أولى على ما مر (إنى صائم إنى صائم)أى يكرر ذلك كذلك(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٥٧٨)

الحديث ۱۹۹۴، كتاب الصيام، باب الأمر بالجلوس إذا شتم الصائم وهو قائم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں گالی گلوچ نہ کرو اور اگر کوئی تمہارے ساتھ گالی گلوچ کرے، تو آپ کہہ دو کہ میں روزہ سے ہوں اور اگر آپ کھڑے ہوئے ہوں، تو بیٹھ جائیں (تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے) (ابنِ خزیمہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ (ابن ماجه، رقم الحديث ۱۶۹۰، كتاب الصيام، باب ما جاء فى الغيبة والرفث للصائم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جن کے لئے بھوک کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں کہ جن کے لئے جاگنے کے سوا کچھ نہیں (ابنِ ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ روزہ اور تہجد جیسے اعمال میں اگر کوتاہی کی جائے، خواہ نیت کے اعتبار سے (مثلاً ریاکاری شامل کرکے) یا عمل کے اعتبار سے (مثلاً گناہ اور لغو بات شامل کرکے) تو ایسی صورت میں ظاہری مشقت ومجاہدہ تو ہو جاتا ہے، لیکن اس عمل کی اصل فضیلت اور قبولیت سے محرومی ہوتی ہے۔ [3]

بعض لوگ اور خاص کر کئی عورتیں مختلف قسم کے گناہوں کو تو چھوڑتی نہیں، اور اس کے بجائے ایک اور خرابی میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ یہ ہے کہ روزہ میں بالکل بات چیت کرنے کو منع اور گناہ سمجھتی ہیں، بلکہ بعض عورتیں تو روزہ ہی خاموشی کا رکھتی ہیں، یعنی دن بھر کسی سے بات چیت نہیں کرتیں۔

---

[1] قال الأعظمى :إسناده صحيح(تعليق صحيح ابن خزيمة)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية سنن ابن ماجه)

[3] (رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع) قال الغزالى :قيل هو الذى يفطر على حرام أو من يفطر على لحوم الناس بالغيبة أو من لا يحفظ جوارحه عن الآثام (ورب قائم) أى متهجد فى الأسحار (ليس له من قيامه إلا السهر) كالصلاة فى الدار المغصوبة وأداها بغير جماعة لغير عذر فإنها تسقط القضاء ولا يترتب عليها الثواب ذكره الطيبى(فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث،۴۴۰۴)

حالانکہ اسلام سے پہلے تو یہ طریقہ عبادت میں داخل تھا کہ نہ بولنے کا روزہ رکھے، صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے۔

جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا (سورہ مریم آیت ۲۶)

ترجمہ: بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لئے روزے کی، لہٰذا ہرگز نہیں کلام کروں گی میں، آج کسی انسان سے (سورہ مریم)

مگر اسلام نے اس طرح روزہ رکھنے کے حکم کو منسوخ اور ختم کر دیا اور یہ لازم کر دیا کہ روزے میں صرف بُرے کلام، گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

دَخَلَ اَبُوۡبَکۡرٍ عَلٰی اِمۡرَأَۃٍ مِّنۡ اَحۡمَسَ یُقَالُ لَھَازَیۡنَبُ فَرَاٰھَالَا تُکَلِّمُ فَقَالَ مَالَھَالَا تُکَلِّمُ قَالُوۡا حَجَّتۡ مُصۡمِتَۃً، فَقَالَ لَھَا تُکَلِّمِیۡ! فَاِنَّ ھٰذَالَایَحِلُّ؛ ھٰذَا مِنۡ عَمَلِ الۡجَاھِلِیَّۃِ ،فَتَکَلَّمَتۡ (بخاری، رقم الحدیث ۳۸۳۴)

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلۂ احمس کی ایک عورت کی طرف تشریف لائے جسے زینب کہا جاتا تھا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی؟ آپ نے معلوم کیا کہ اس کو کیا ہو گیا کہ بات نہیں کرتی؟ لوگوں نے بتلایا کہ اس نے خاموش رہنے کا ارادہ کیا ہوا ہے (یہ نیت کی ہے کہ وہ کسی سے بات نہیں کرے گی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ کلام کیا کرو! کیونکہ ایسا کرنا حلال نہیں، یہ تو زمانۂ جاہلیت کا عمل ہے، اس کے بعد اس عورت نے کلام کرنا شروع کر دیا (بخاری)

اس قسم کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں روزہ بولنے اور بات چیت کرنے سے بچنے اور خاموش رہنے کا نام نہیں، البتہ روزہ دار کو کھانے پینے اور جماع کے علاوہ دوسرے گناہوں اور خاص کر زبان کے گناہوں سے بچنا چاہئے، روزہ کا کامل ثواب اور پوری قبولیت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، ورنہ گناہ کرنے کی صورت میں اگرچہ روزہ کا فریضہ تو ذمہ سے اتر جاتا ہے، مگر روزہ کے پورے فوائد وبرکات سے محرومی رہتی ہے۔

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

محقق کے بدنام ہونے کی وجہ

(20-جمادی الاخری-1446ھ)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

جتنا کوئی محقق ہوگا، اتنا ہی بدنام ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر گہری ہوتی ہے، لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں، بظاہر اس کی باتیں ان کو خلاف معلوم ہوتی ہیں، اس لئے کفر تک فتویٰ قائم کردیتے ہیں، اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں (ملفوظات حکیم الامت، ج ۲۳، ص ۲۲۴، ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، پاکستان، تاریخِ اشاعت ۱۴۲۷ھ)

حضرت موصوف نے یہ بات واقعہ کے مطابق فرمائی، چنانچہ ہر زمانہ میں اس چیز کا مشاہدہ ہوتا رہا کہ جو کسی زمانہ میں محقق ہوا، اس کی بہت سی باتیں، غیر محققین کو ہضم نہیں ہوسکیں، اس لئے وہ اپنے زمانہ کے محقق کے خلاف سرگرمِ عمل رہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا کام جس سے لینا ہو، وہ لے کر رہتا ہے، اس لئے اللہ نے ہر زمانہ کے محققین سے وہ کام لئے، جو رہتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ شمار ہوئے، ان محققین کو اللہ نے دنیا وآخرت کی عزت ودرجات کی رفعت سے نوازا، اور اس زمانہ کے غیر محققین کی طرف سے اس زمانہ کے محقق کو بدنام کرنے کی ساری جدوجہد خاک میں مل گئی، جس کا تاریخ کے اوراق میں ذکر تک بھی نہیں ملتا، لیکن ان محققین کی تحقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں۔ آج کے دور میں جو محقق ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، ان کے معاصر بھی اس کے ہمہ وقت درپے رہتے ہیں، اور اس کی تحقیقات کے غیر مقبول قرار دلوانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، لیکن اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے جس زمانہ میں جس تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ اس کام کے لئے مخصوص بندے پیدا فرمادیتا ہے، جو اس کام کو سرانجام دیتے ہیں، پھر اس

www.idaraghufran.org

کام کی حفاظت کا انتظام بھی اللہ کی طرف سے کیا جاتا ہے، جس کا مخالفین کو مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ کا ہر زمانہ میں یہی نظام رہا ہے، آج بھی ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی رہے گا۔

دوسری طرف آج کل ایک طبقہ وہ ہے، جس نے تحقیق کے تمام درجات ومراتب کو بند کر کے رکھ دیا ہے، اس کے نزدیک جس کی تحقیق اپنے مقصود ومدعیٰ کے خلاف ہو، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسلاف واکابر نے جو بات طے فرمادی، وہی حرفِ آخر ہے، بلکہ بعض اوقات تو اس پر اجماع ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا جاتا ہے، جو سراسر غلط ہوتا ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

> جمہور سے خلاف، شخصِ واحد کا قول صحیح ہوسکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل کے علماء اگر مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کرلیں، تو اس کو اجماع شرعی نہ کہیں گے، کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا، جو کہ غیر معتبر ہے، پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۲، کتاب الحظر قات، رسالہ ''التصدیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم'' مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع اول 1421 ہجری)

پھر جب ان کے سامنے بڑے بڑے سابق محققین واکابرین کے حوالہ جات کو پیش کیا جاتا ہے، تو ''اسلاف واکابر'' کا عموم واطلاق ختم کر کے کہا جاتا ہے کہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ ہمارے اکابر کے خلاف ہے، اور دوسرے سلسلوں کے لوگ بھی اپنے اپنے اکابر کا حوالہ دیتے ہیں، اس طرح سے اکابر کا مفہوم بھی ہر ایک نے اپنے اپنے تصور میں الگ الگ قائم کر رکھا ہے، جس کے نتیجہ میں گروہ در گروہ قائم ہوتے جارہے ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعصب وتشدد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

حالانکہ یہ لوگ جب خود ہی اپنے بزرگوں کی کسی بات کو اپنے مقصود کے خلاف پاتے ہیں، تو اس میں طرح طرح سے تاویل کر کے ٹھنڈے پیٹوں ہر طرح کے چھوٹے بڑے اختلاف کو گوارا کر لیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اب حالات بدل گئے ہیں، اگر ہمارے اکابر اس زمانہ میں حیات ہوتے، تو وہ بھی یہ بات فرماتے، یا پھر کہیں کسی کونے کھدرے سے بھی کوئی ایک حوالہ مل جائے، اسے اپنے اکابر کا قول وفرمان بنا کر ایسا مشہور کرتے ہیں کہ جیسا کہ یہی ان کے اکابر کا مسلمہ اصول ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کی بے اعتدالیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط49) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (ستائیسواں حصہ)

(11).....شیخ القراء أبو عمرو عثمان بن سعید الدانی

شیخ ''أبو عمرو عثمان بن سعید الدانی ''جواپنے زمانے میں''ابن الصیرفی ''کے نام سے معروف تھے،ایک ماہراندلسی عالم،فنِ قرائت کے امام،محدث اور مفسر تھے،پورانام''عثمان بن سعید بن عثمان أبو عمرو الدانی الاموی ''ہے،اندلس کے ایک شہر''دانیہ''(موجودہ Denia)کے باشندے تھے،اسی نسبت سے''دانی''کہلائے،371ھ میں ولادت ہوئی۔

آپ فنِ قرائت کے امام،تجوید،رسمِ عثمانی،حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر،عمدہ خطاط،جیدالحفظ، ذکی اور ذہین،متقی وپرہیزگار،اور مستجاب الدعوات مالکی امام تھے۔

علمی مقام ومرتبہ

علم حاصل کرنے کے لیے بلادمشرقہ کے اسفار کیے،بیت اللہ کی زیارت کی،اور جلیل القدر علماء و فقہاء اور اصحابِ علم سے استفادہ کیا۔

شیخ ابوعمرو الدانی کا شمار اگرچہ مالکی فقہاء،محدثین اور مفسرین کے ماہرین میں سے ہوتا ہے،مگر آپ قرائت وعلومِ قرآن کی گراں قدر خدمات اور اس میں ماہرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے زیادہ جانے گئے،اسی وجہ سے آپ کو فنِ قرائت وعلومِ قرآن کے ائمہ،اور اس کی روایات وتفسیر کے ماہرین میں سے شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن بشکوال نے''الصلة''میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

''ابوعمرو الدانی کا شمار علومِ قرآن،اس کی روایات،تفسیر،معانی،طرقِ قرائات،اور اعراب کے کبار ائمہ میں سے ہوتا ہے.....انہیں حدیث،اس کے طرق(روایت کے

سلسلوں) اور رواۃ (حدیث بیان کرنے والوں) کی بھی معرفت حاصل تھی، انتہائی مضبوط حافظہ، اور علمی قابلیت کے مالک تھے، اور مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے، دین دار، متقی و پرہیزگار اور اہلِ سنت کے جید (علماء واماموں میں سے) تھے......'' [1]

حافظہ انتہائی مضبوط تھا، خود فرمایا کرتے تھے ''میں نے جو چیز دیکھی، اسے لکھ لیا، اور جو لکھا اسے حفظ کرلیا، اور جو کچھ حفظ کیا کبھی نہیں بھولا''۔ [2]

تصانیف:

شیخ ''أبو عمرو الدانی'' کو جہاں فنِ قرائت اور علوم قرآن جیسے جملہ علوم میں مہارت حاصل تھی، وہاں شعبہ تصنیف وتالیف میں بھی کمال ملکہ حاصل تھا، چنانچہ منقول ہے کہ آپ نے سو سے زیادہ کتب تالیف کیں۔

جن میں ''التیسیر فی القرائت السبع'' فنِ قرائت سبعہ میں بہت مشہور اور عربی مدارس میں داخلِ درس ہے۔ [3]

---

[1] وکان أحد الأئمة فی علم القرآن ورواياته وتفسيره ومعانيه وطرقه وإعرابه وجمع فی معنى ذلک كله تواليف حسأنا مفيدة يكثر تعدادها ويطول إيرادها .وله معرفة بالحديث وطرقه وأسماء رجاله ونقلته.
وكان حسن الخط جيد الضبط من أهل الحفظ والعلم والذكاء والفهم، متفننا بالعلوم جامعا لها معتنيا بها. وكان دينا فاضلا، ورعا سنيا .قال المغامی: وكان أبو عمرو مجاب الدعوة، مالكی المذهب (الصلة فی تاريخ أئمة الأندلس، ص ٣٨٦، حرف العين، تحت الترجمة: عثمان بن سعيد بن عثمان بن سعيد الأموی)

[2] وكان يقول: ما رأيت شيئاً قط إلا كتبته، ولا كتبته إلا حفظته، ولا حفظته فنسيته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤، ص ٣٢٣، تراجم فقهاء، أبو عمرو الدانی)

[3] التیسیر فی القرائات السبع: شیخ ابوعمرو الدانی کی تالیف کردہ ایک مشہور کتاب ہے، یہ کتاب قرائاتِ سبعہ (یعنی قرآن کی سات متواتر قراءات) کے بارے میں ایک بنیادی اور جامع ماخذ ہے، جس میں امام دانی نے ان قراءات کو آسان اور مختصر انداز میں بیان کیا ہے، چنانچہ مصنف نے اس کتاب میں ''امام نافع، ابن کثیر، أبوعمرو البصری، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور امام کسائی'' کی قراءات کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور ہر قاری کی قرائت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی وضاحت کی ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ ان متواتر قرائتوں کو طلبہ کے لیے سند کے ساتھ، آسان اور مرتب انداز میں پیش کیا، تاکہ توثیق کا پہلو قائم رہے۔
امام ابوعمرو دانی کی اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعد کے کئی قراء اور مفسرین نے التیسیر کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا، چنانچہ امام شاطبی (متوفی:590ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''متن الشاطبیہ'' (حرز الامانی) کو اسی کتاب سے اخذ کیا، جس نے قراءات کے علم کو مزید عام کیا، اس لیے امام دانی کی یہ کتاب قراءات کے طلبہ اور محققین کے لیے نہایت اہم اور بنیادی ماخذ ہے، اور قرائتوں کے مختلف طرق کو جاننے کے لیے آج بھی اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک کتاب ''جامع البیان فی القرائت السبع ''(جس میں سات متواتر قرائتوں کو جمع کیا گیا ہے)،اور تجوید کے اصولوں اور قواعد پر مبنی ایک کتاب ''التحدید فی الاتقان و التجوید ''اور رسمِ عثمانی (یعنی مصحف کی کتابت کے اصول) پر ایک اہم کتاب ''المقنع فی رسم مصاحف الامصار ''،اور حضرت نافع سے مروی مختلف قراءات کے خلاصے پر ایک کتاب ''الاقتصاد فی اختصار عموم الرواۃ عن نافع ''اور علومِ قرآن سے متعلق ایک کتاب ''الاحرف السبعة'' بھی تالیف فرمائیں۔

اس کے علاوہ چند مشہور کتابیں اور بھی ہیں،جن میں کچھ قرائت،اور علوم قرآن سے متعلق ہی ہیں، اور کچھ علمِ حدیث،تفسیر،عقائد،قربِ قیامت اور فتن وغیرہ سے متعلق،جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱).....**کتاب فی علم الحدیث:** اصولِ حدیث،رواۃ الحدیث،اور اسماء الرجال سے متعلق ایک عمدہ کتاب۔

(۲).....**الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فی الاعتقادات وأصول الديانات:** عقائد اہلِ سنت والجماعت،اصولِ دین مثلاً توحید باری تعالیٰ وصفاتِ باری تعالیٰ کا بیان،ایمان اور اس کے ارکان،صحابۂ کرام کا مقام،فرقِ باطلہ کا رَد،علاماتِ قیامت،آخرت کے امور،عذابِ قبر،شفاعت،جنت ودوزخ کے بیان اور آخرت پر ایمان سے متعلق ایک انتہائی عمدہ کتاب،جو کہ عقائدِ اہلِ سنت والجماعت کے اصولوں کو جاننے کے لیے ایک اہم ماخذ،اور عقائدِ اسلام پر تحقیق اور مطالعہ کرنے والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

(۳).....**السنن الواردة فی الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها** :علاماتِ قیامت، فتنوں اور ان کے اثرات،مختلف آزمائشوں اور آخری زمانے میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو احادیث کی روشنی میں جمع کیا ہے۔

(۴).....**المحکم فی نقط المصاحف** :قرآن میں اعراب ونقط کی تاریخ،قواعد،روایات، اور عملِ صحابہ کی روشنی میں ضبط المصحف کے اصولوں کی وضاحت۔

(۵).....**البیان فی عدّ آی القرآن** (۶).....**المکتفی فی الوقف والابتدا**

(۷)......النقط (۸)......الفرق بین الضاد والظاء فی کتاب اللہ عز وجل وفی المشھور من الکلام ۔

شیخ ابوعمرو الدانی کی یہ تمام کتب مطبوعہ شکل میں بآسانی دستیاب ہیں، جن سے علم کے متلاشی ہمہ تن فائدہ اٹھاتے ہیں، چاہے وہ کسی بھی مکتبِ فکر اور دنیا کے کسی بھی خطہ سے تعلق رکھتے ہوں، اور ان میں سے اکثر کتب شاملِ درس بھی ہیں، اور حیران کن بات یہ ہے کہ ان تمام کتب کا مصنف ایک مالکی عالم ہے!

وفات

شیخ اَبوعمرو الدانی نے 544ہجری (بمطابق1052ء) میں اندلس کے شہر دانیہ (موجودہ Denia) میں وفات پائی، آپ نے علومِ قرآن کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں، جن سے آج بھی اہلِ علم استفادہ کرتے ہیں(رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃً) [1]

(جاری ہے......)

---

[1] أَبـو عَـمْرو الدَّانی: عثمان بن سعید بن عثمان، أَبُو عمرو الدانی، ویقال له ابن الصیر فی، من موالی بنی أمیة:أحد حفاظ الحدیث، ومن الأئمة فی علم القرآن ورو اياته وتفسیره. من أهل دانیة (Denia) بالأندلس. دخل المشرق، فحج وزار مصر، وعاد فتوفی فی بلده. له أکثر من مئة تصنیف، منها: التیسیر – ط، فی القرآآت السبع، و "الاشارة – خ، قرآآت، و: المقنع – ط . فی رسم المصاحف ونقطها، والاهتدا فی الوقف والابتدا – خ، و: الموضح المذاهب القراء – خ ، صغیر، و: جامع البیان – خ فی القرائات، و: طبقات القراء. وغیر ذلک .وفی مکتبة الجامع الأزهر بمصر نسخة من: فهرس تصانیف الدانی – خ " وجمع أحد الفضلاء کتابا سماه" فوائد أبی عمرو الدانی – خ . وهو سنده فی القرآآت (الاعلام للزرکلی، ج۴، ص ۲۰۶)

أبو عمرو الدانی: هو عثمان بن سعید بن عثمان، أبو عمرو الدانی الأموی المقرء .أحد حفاظ الحدیث، ومن الأئمة فی علم القرآن ورواته وتفسیره .ومن أهل دانیة بالأندلس، دخل المشرق، فحج وزار مصر، وعاد فتوفی فی بلده .له أکثر من مائة تصنیف.

وکان یقول: ما رأیت شیئاً قط إلا کتبته، ولا کتبته إلا حفظته، ولا حفظته فنسیته (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴، ص ۳۲۳، تراجم فقهاء، أبو عمرو الدانی)

وفیها أبو عمرو الدّانی، عثمان بن سعید القرطبی بن الصیرفی، الحافظ المقرء، أحد الأعلام، صاحب المصنفات الکثیرة، منها التیسیر توفی بدانیة فی شوال، وله ثلاث وسبعون سنة (شذرات الذهب، ج۵، ص ۱۹۵، سنة أربع وأربعین وأربعمائة)

www.idaraghufran.org

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط99) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں نئی ریاستی اصلاحات (قسط5)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحاتِ انتظامیہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت، ایک روشن اور مبین زمانہ تھا جہاں انصاف، سچائی اور احتساب کی فضا سر بسامان تھی۔ اُنہوں نے اپنی نظرِ عدالت سے نہ صرف حکومتی اداروں کی کارکردگی کو نکھارا بلکہ عوام کے حقوق کو بھی وہ مقام عطا فرمایا جس کے وہ مستحق تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول کو بنیادی اہمیت دی کہ ہر فرد کو اُس کی ذمہ داری کا جوابدہ ٹھہرایا جائے۔ اس لیے انہوں نے محکمہ احتساب کا نظام قائم کیا جس کا بنیادی مقصد حکومتی اہلِ خدمت کی کارکردگی پر نظر رکھنا اور عوام کے حقوق کا تحفظ یقینی بنانا تھا۔ محکمہ احتساب کے ذریعے، ہر سرکاری اہلِ خدمت کو اس بات کا احساس دلایا گیا کہ وہ اللہ اور انسان کے سامنے جوابدہ ہیں۔ مفتشینِ احتساب کو ایسے افراد کے طور پر منتخب کیا گیا جو نہ صرف عدل وانصاف میں مہارت رکھتے تھے بلکہ اُن کی اخلاقی صفات بھی بے عیب تھیں۔ یہ مفتشین ہر گوشے، ہر محلے اور ہر ادارے میں موجود بدانتظامیوں کی نگرانی کرتے اور جس بھی سرکاری اہلِ خدمت کی کارکردگی میں کوتاہی نظر آتی، اُس پر سخت وشدید کارروائی کی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جو شخص عوام کے مال اور حقوق کا ناجائز استعمال کرے گا، اُس کا حساب نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ہوگا''۔ [1]

اس جامع اور منصفانہ نظام نے سرکاری اداروں میں شفافیت اور دیانتداری کی نئی روح پھونکی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور انمول تحفہ عوام کے لیے ان کا وہ نظام تھا جس کے تحت ہر عام فرد کو اپنی شکایات اور مسائل پیش کرنے کا حق حاصل تھا۔ اُس دور میں جب حکومتی اہلِ خدمت عموماً اپنے عہدے کی حرمت کو پہچانتے تھے، حضرت عمر نے عوامی شکایات کے ایک ایسے نظام کا آغاز

[1] تاریخ الرسل والملوک للطبری، لدارالکتاب، بیروت ج۳ص ۶۱۱

www.idaraghufran.org

کیا جس نے ہر شہری کو یہ یقین دلایا کہ اُس کی آواز سنی جائے گی۔ یہ نظام نہایت سادہ مگر انتہائی مؤثر تھا۔ عوام اپنی شکایات بلا جھجھک اور خوفِ سزا کے ساتھ سیدھے دربار میں پیش کرتے۔ نہ صرف وہ اپنی روزمرہ کی مشکلات بیان کرتے بلکہ سرکاری اہلِ خدمت کے غیر اخلاقی اور بدعنوان اعمال کی نشاندہی بھی کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اکثر عوام کے درمیان بیٹھ کر اُن کی شکایات سنتے اور ہر شکایت کا مفصل جائزہ لیتے۔ اس طرح کے نظام سے نہ صرف عوام کا اعتماد حکومت پر دوبارہ قائم ہوا بلکہ حکومتی اہلِ خدمت میں بھی احتساب کا جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے نبھائیں، کیونکہ اُنہیں معلوم تھا کہ کہیں اُن کی غفلت یا بدعنوانی کا بدلہ سخت ہوگا۔

عدل وانصاف کے بنیادی ستون میں عدلیہ کا کردار سب سے اہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو اس قدر مضبوط اور غیر جانبدار بنایا کہ ہر فیصلہ محض اور منصفانہ ہو۔ اُنہوں نے یہ یقینی بنایا کہ عدالتی نظام میں کوئی بھی فرد، چاہے اُس کا درجہ یا مقام کچھ بھی ہو، عدالتی انصاف سے مستثنیٰ نہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اہلِ عدالت کا انتخاب ایسے نیک دل اور ایماندار افراد سے کیا بلکہ اُن کے کام پر بھی سخت نظر رکھی۔ اُنہوں نے عدالتی فیصلوں کی جانچ پڑتال کے لئے ایک مضبوط نظام وضع کیا جس کے تحت کوئی بھی شخص کسی بھی وقت عدالتی فیصلوں پر اعتراض کرسکتا تھا۔ اگر کسی قاضی کے فیصلے میں جانبداری یا غیر منصفانہ رویہ دیکھنے میں آتا، تو اُس کا بھی حساب کتاب کیا جاتا۔ یہ نظام عدلیہ کی غیر جانبداری کو یقینی بناتا اور عوام کا دل اطمینان سے بھر دیتا کہ انصاف کا پہیہ ہمیشہ بروقت اور برابر گھومتا رہے گا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ میراث ہمیں ہمیشہ یاد دلاتی ہے کہ عوام کی خدمت، عدل اور احتساب کے بغیر کسی بھی نظام کا فروغ ممکن نہیں۔ ان اصلاحات کی روحِ حقیقت اور ان کے ادبی انداز نے نہ صرف اُس زمانے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک بلند مثال قائم کی ہے، جس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک منصفانہ اور شفاف حکومت ہی حقیقی خوشحالی اور امن کی ضامن ہے۔

[1] فتوح البلدان.لبلاذری دار الثقافة، ج ۴ ص ۲۲۰

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

رمضان کی برکت

پیارے بچو!ایک خوبصورت گاؤں میں، جہاں درختوں کی چھاؤں اور پھولوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، چند خاص بچے رہتے تھے جن کے دلوں میں محبت اور عزم کی چنگاری ہمیشہ جلتی رہتی تھی۔علی، فاطمہ، حسن اور مریم جیسے یہ بچے ہر سال رمضان کے مہینے کا بے صبری سے انتظار کرتے تھے۔اُن کے گھر والوں نے ہر رمضان کو خاص طریقے سے منایا اور بچے بھی بڑے جوش وخروش سے اس مہینے کی تیاری میں حصہ لیتے تھے۔

جب سردیوں کی آخری ہوا چلنے لگی تو گاؤں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رمضان قریب ہے۔علی اور اس کے دوستوں نے اپنے گھر کے باہر اور گلیوں میں خوبصورت روشنیوں، فانوسوں اور رنگ برنگے بلبوں کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں سجانے کا فیصلہ کیا۔فاطمہ نے اپنی امی کے ساتھ مل کر مسالوں اور کھجوروں کی خریداری کی تاکہ افطار کی میز پر لذیذ کھانے سجائے جاسکیں۔حسن نے اپنے دادا سے رمضان کی اہمیت کے قصے سننے کا وعدہ کیا، اور مریم نے اپنی چھوٹی بہن کو روزہ رکھنے کے فوائد اور نیکیوں کے بارے میں سمجھانے کا ارادہ کیا۔گاؤں کی مسجد کے امام صاحب نے بھی ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا۔انہوں نے بتایا کہ رمضان صرف روزہ رکھنے کا مہینہ نہیں بلکہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں نیکیوں کا سیلاب آتا ہے۔بچوں نے بھی دھیان سے سنا اور ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ وہ رمضان میں اپنے بزرگوں کی مدد کریں گے، غریبوں کے لئے کھانا بانٹیں گے اور ہر جگہ محبت اور امن پھیلائیں گے۔

جب پہلا چاند نظر آیا تو گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر گھر میں دعائیں پڑھی گئیں اور رات کو ماہِ رمضان کی آمد کا جشن منایا گیا۔ بچوں نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، اپنی مٹھیوں میں کھجوریں لیے مسجد کی طرف قدم بڑھائے۔ پہلے روزہ کی افطاری میں سب نے مل کر دعا کی اور شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور مبارک مہینہ عطا فرمایا ہے۔ ہر روز، علی اور اس کے

دوست صبح سویرے اُٹھ کر سحر کی تیاری کرتے۔ فاطمہ نے امی کی مدد سے کھانے میں وہ خاص سی بات شامل کی جس سے دل کو سکون ملتا۔ حسن نے اپنے دادا کے کہے ہوئے قصوں سے نہ صرف رمضان کے فضائل سیکھے بلکہ سچائی، ایمانداری اور قربانی کے اہم سبق بھی حاصل کیے۔ مریم نے اپنی چھوٹی بہن کو بھی روزہ رکھنے کی ترغیب دی اور بتایا کہ کس طرح نیک اعمال کرنے سے انسان کے دل میں خوشی اور سکون آتا ہے۔

جیسے جیسے رمضان کے دن گزرتے گئے، گاؤں کی مسجد میں تراویح ہوتی رہی۔ رات کے سناٹے میں بچوں کے چہرے روشنی سے چمکتے اور دل خوشیوں بھر جاتے۔ امام صاحب نے قرآن کی تلاوت کی اور بچوں کو بھی بتایا کہ ہر حرف میں اللہ کی رحمت اور شفقت چھپی ہوتی ہے۔ علی، فاطمہ، حسن اور مریم نے دل سے دعا کی اور عزم کیا کہ وہ اس مہینے کے اختتام تک ہر ممکن نیکی کریں گے۔ ایک رات، جب چاند اپنی پوری شان سے آسمان پر چھایا ہوا تھا، گاؤں کے بزرگوں نے بچوں کے لئے خصوصی کہانیاں اور قصے بیان کیے جن میں صداقت، بہادری اور ہمدردی کی جھلک ملتی تھی۔ بچوں نے نہ صرف کہانیوں سے لطف اٹھایا بلکہ یہ سیکھا کہ رمضان میں ہمیں صرف اپنے لیے روزہ نہیں رکھنا بلکہ دوسروں کے دکھ درد کو بانٹنا بھی ضروری ہے۔ اس رات مریم نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ اپنے گھر سے کچھ کھانا نکال کر غریب خاندانوں میں بانٹیں گے، تاکہ ہر کوئی اس مہینے کی برکت سے مستفید ہو سکے۔ مہینے کے اختتام پر، جب عید کی تیاریاں شروع ہوئیں تو گاؤں میں ایک نیا جوش تھا۔ بچوں نے رمضان میں سیکھے گئے سبق اور کی گئی نیکیوں کو یاد کرتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ گاؤں کی بڑی بڑی گلیوں میں عید کی رونق تھی، ہر طرف ہنسی خوشی کی خوشبو مہک رہی تھی۔ بچوں نے یہ سیکھا کہ ہر دن کو نیکیوں اور محبت کے ساتھ جینے سے نہ صرف زندگی خوبصورت بنتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی خوش رہتے ہیں۔ یوں رمضان کی برکت نہ صرف گاؤں بلکہ ہر بچے کے دل میں اُتر گیا، اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ ہر آنے والے رمضان میں وہ اسی جذبے اور محبت کے ساتھ اپنی زندگی کو سنواریں گے، تاکہ دنیا میں امن، محبت اور ہمدردی کا پیغام ہمیشہ زندہ رہے۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط88) مفتی طلحہ مدثر

زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ6)

معزز خواتین! زیب وزینت کے حوالے سے کچھ گزارشات کی تھیں، جس میں یہ ذکر کیا تھا، کہ گھر سے باہر نکلتے وقت اسلام کا ایک حکم یہ ہے کہ خواتین بن سنور کر نہ نکلیں، یہ حکم عام ہے، یعنی نارمل حالات میں اگر خواتین کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آجائے، یا نماز وغیرہ کے لیے جانا ہو، تو ان کو سج سنور کر نکلنے سے پرہیز کرنا چاہیے، اس رویہ پر رد کرنا مقصود تھا، جو ہمارے یہاں کی خواتین کی عادت ہے، کہ گھر میں بالکل حال سے بے حال رہتی ہیں، جبکہ گھر سے باہر نکلتے وقت ایسی تیاری ہوتی ہے، جیسے مس ورلڈ کا مقابلہ لڑنا ہے، سو اس طرزِ عمل پر تھوڑی سی روشنی ڈالی تھی، کہ یہ رویہ اسلام کے مطابق نہیں ہے، لیکن ہمارے معاشرے اور قوم کو معلوم نہیں کیا روگ ہے، یہ سیدھی بات کا بھی الٹا مطلب نکالتے ہیں، اور مثبت کے بجائے منفی پہلو کو ہی اختیار کرتے ہیں، بعض سمجھدار خواتین نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ گھر میں ماسی تو پہلے ہی تھیں، شادی بیاہ یا کسی خوشی کے موقع پر کوئی بے چارہ اگر دعوت دے بیٹھے تو وہاں بھی ماسی ہی لگنا ہے، تاکہ لوگ فرق ہی نہ کرسکیں کہ آپ کی تشریف آوری خوشی کی تقریب میں شرکت کے لیے ہے یا میت کے گھر ماتم پرسوگ منانا مقصد ہے، جبکہ یہ بالکل الٹ مطلب ہے، میں نے کہا تھا، گھر میں بھی تیار ہونا ہے، یہ نہیں کہا کہ باہر بھی ماسی لگنا ہے، بن ٹھن کر خوشبو میں نہا کر، پرکشش بن کر نکلنے کی ممانعت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کسی تقریب اور خوشی یا دعوت کے موقع پر ماسی بن کر چلی جائیں، سادہ ہونے اور بے حال ہونے میں بہت فرق ہے، یہ تو ایسے ہی ہوا، کہ ایک شخص کو کہا جائے بھائی آپ نماز پڑھتے ہیں، اور روزہ نہیں رکھتے، یہ غلط طرزِ عمل ہے، اس کے جواب میں وہ صاحب روزہ رکھنے کے بجائے نماز بھی چھوڑ دے، اب ایسی سمجھ کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

زینت کو چھوڑ دینا بزرگی نہیں ہے

دیکھیں اسلام زینت کو پسند کرتا ہے، پہلے ہی اس بارے میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے

واضح کیا جاچکا ہے، کہ زینت اختیار نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے موجود ہونے کے باوجود اس کا اثر انسان پے ظاہر نہ ہونا، جان بوجھ کر حال سے بے حال رہنا شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ ایسے رویے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ یہ طرزِ عمل ایک اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی عملی ناشکری میں داخل ہے، کہ اللہ آپ کو نعمت دے رہے ہیں، اور آپ اپنے حلیہ سے یہ ظاہر کر رہے ہیں، کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تنگدستی میں رکھا ہے، اس طرزِ عمل کے پیچھے ہمارا ایک معاشرتی مسئلہ ہے، ہمارے یہاں جو جتنا گندا مندا، حال سے بے حال، صفائی ستھرائی سے بے نیاز ہوتا ہے، ہم اسے اتنا ہی بڑا بابا، نیک اور پہنچی ہوئی چیز سمجھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہنچی ہوئی چیز ہے، لیکن جہنم کے راستے کی طرف، بھلا اللہ کے نبی کی سنت چھوڑ کر کوئی نیک ہوسکتا ہے، یہ کوئی عبادت اور بزرگی نہیں ہے، کہ ہم اپنے حلیہ سے فقیر دکھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں سادگی ضرور تھی، لیکن لباس پروقار اور صاف ہی ہوتا تھا، لباس کا پرانا ہونا الگ بات ہے، اور لباس کا گندا ہونا، الگ بات دونوں کو ایک نہیں سمجھنا چاہیے۔

جمعہ، عید اور تقاریب میں زینت اختیار کرنا

اسلام میں خاص موقعوں پر زینت اختیار کرنے کو پسند کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کا شروع سے ہی اس پر عمل چلا آرہا ہے، دلائل پے غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں مرد اور عورت میں فرق نہیں ہے، کہ مرد کو زینت اختیار کرنا جائز ہو اور عورت کو ناجائز ہے، چنانچہ جمعہ کے دن، عید کے دن، اسی طرح اگر کسی کے گھر زیارت کے لیے جائیں، یا پھر کسی تقریب میں مہمان بن کر جائیں، یا میزبان بن کر کسی کو اپنی خوشی میں شریک کریں، اس طرح کے سب موقع پر زینت اختیار کرنا مستحب یا کم از کم مباح ضرور ہے، البتہ اسلام اس چیز کا لحاظ ضرور رکھتا ہے، کہ آپ کی زینت دیکھنے کا اختیار کس کو ہے، اور کیا آپ کا سجنا دھجنا آپ کے لیے یا آپ کی وجہ سے کسی اور کے لیے خرابی کا باعث تو نہیں بن رہا، ایسی صورت میں اسلام یا تو آپ کو زینت سے منع کر دیتا ہے، یا اس کو چھپانے کا حکم دے دیتا ہے، چنانچہ اگر خواتین جمعہ اور عید پر تیار ہوں، اور گھر میں ہی رہیں، تو اس کے مستحب نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی، جس طرح عید وغیرہ مردوں کے لیے کے لیے خوشی اور مسرت کے

دن ہیں، اسی طرح خواتین کے لیے بھی ہیں، اس میں فرق نہیں کیا جاسکتا، البتہ وہ اصول یہاں بھی ہے، آپ کی زینت کا اظہار ان کے سامنے تو نہیں ہے، جن کے لیے سجنے سے کوئی خرابی لازمی آئے، چنانچہ اگر آپ صرف خواتین کی علیحدہ تقریب میں شریک ہوں، جہاں مرد نہ ہوں، تو وہاں زیب وزینت منع نہیں ہوگی، اسی طرح اگر گھر میں رہتے ہوئے تیار ہوں، تب بھی ممانعت نہیں ہوگی، البتہ اگر گھر سے باہر جائیں، تو اس زینت کو چھپانا ضروری ہے، کیونکہ ایسا نہ کرنے پر یا تو آپ کے ایمان میں خرابی آئے گی، یا دوسرے کے اور دونوں صورتوں میں شریعت اس راستے کو بند رکھنا چاہتی ہے، اور جہاں صرف چھپانے سے کام نہ چلے وہاں، شریعت بالکل ہی منع کردیتی ہے، جیسے خوشبو، اپنے پرکشش لباس کو سادہ برقع اور چادر اوڑھ کر چھپایا جاسکتا ہے، اسی لیے شریعت یہ کہتی ہے، کہ باہر نکلنے پر ایک چادر اوڑھ لیں، جو آپ کو اور آپ کے لباس کو چھپالے، لیکن خوشبو لگا کر نکلنے سے منع ہی کردیتی ہے، کیونکہ صرف چادر اوڑھ لینا خوشبو کی مہک ختم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، نیز اس میں پبلک پلیس اور پرائیویٹ پلیس کے اعتبار سے بھی فرق ہے، پبلک پلیس جیسے مساجد، پارک، ہوٹلز، وغیرہ میں زیادہ احتیاط کی ضروت ہے، کیونکہ اس جگہ سے تمام افراد کا حق وابستہ ہے، جبکہ اگر آپ والدین، بھائی، محرم یا کسی ایسے دوست عزیز کے گھر جارہی ہیں جہاں غیر محرم سے سامنا نہیں ہوگا، تو ایسی صورت میں پابندی صرف راستے کی وجہ سے ہے، اس جگہ میں پابندی کی وجہ نہیں ہے، کیونکہ وہ پبلک پلیس نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولیخرجن تفلات" (یعنی سادہ حالت میں بناؤ سنگھر کے بغیر نکلیں) کے الفاظ عیدگاہ جانے والی خواتین کے لیے ہی ارشاد فرمائے تھے، جو ایک پبلک پلیس ہے، ورنہ عام حالات میں وہی حکم ہے، جو سورہ احزاب کی آیت نمبر 59 میں بیان ہوا کہ گھر سے باہر نکلنے پر چادر اوڑھ لیں، اگر خواتین کو یہ حکم سخت معلوم ہو، تو انہیں چاہیے، اس آیت کا ترجمہ پڑھیں، اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی وجہ خواتین کی حفاظت اور ان کو اذیت وتکلیف سے بچانا بتائی ہے، ہمارے یہاں اس آیت کو بیان ایسے کیا جاتا ہے، جیسے مردوں کی وجہ سے عورت کو چھپایا جارہا ہے، سو اس کا غلط اثر پڑتا ہے، بہرحال خوشی جیسے شادی بیاہ عید وغیرہ کے موقع پر خواتین کو بھی زینت اختیار کرنا مستحب یا جائز ہے، البتہ شریعت کی بتائی ہوئی پابندی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (جاری ہے.....)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

''چشتی واشرف علی رسول'' کی تحقیق (قسط:4)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ، حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ، لاَ يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ (صحيح البخارى،رقم الحديث ٢١٢)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اونگھ آئے، اور وہ نماز پڑھ رہا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ لیٹ جائے، یہاں تک کہ اس سے نیند چلی جائے، کیونکہ تم میں کوئی جب نماز پڑھ رہا ہو، اور وہ اونگھ رہا ہو، تو اسے معلوم نہیں ہو پاتا کہ شاید وہ استغفار کر رہا ہو، پھر وہ اپنے آپ کو ہی گالی دینا شروع کر دے (صحیح بخاری)

اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا نَعَسَ الرَّجُلُ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ، لَعَلَّهُ يَدْعُو عَلَى نَفْسِهِ وَهُوَ لَا يَدْرِي (سنن النسائى،رقم الحديث ١٦٢)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اونگھ رہا ہو اور وہ نماز میں ہو، تو اسے چاہیے کہ (نماز سے) لوٹ جائے، شاید کہ وہ اپنے آپ کو بد دعاء دینے لگے، اور اس کو پتہ بھی نہ چلے (سنن نسائی)

مذکورہ حدیث میں اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کی زبان سے نماز کے منافی الفاظ نکل جائیں، اور اس کو پتہ بھی نہ چلے۔

ظاہر ہے کہ اونگھ کی حالت میں جب آدمی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے، تو اس کے کچھ نہ کچھ ہوش بحال ہوتے ہیں، پھر بھی اس کے علم نہ ہونے کا حکم لگا کر نماز سے منع نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ نیند کا ایک درجہ وہ بھی ہوتا ہے، جس میں انسان کے تمام حواس معطل نہیں ہوتے، لیکن اس کے باوجود اس

کی زبان سے بے اختیار الفاظ کا صدور ممکن ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ، فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْآنُ عَلَى لِسَانِهِ، فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ، فَلْيَضْطَجِعْ (صحيح مسلم،رقم الحديث٧٨٧"٢٢٣")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے، پھر قرآن اس کی زبان پر مستعجم (ومشکل) ہوجائے، پس اسے علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ لیٹ جائے (صحیح مسلم)

مذکورہ حدیث میں نیند سے بیدار ہونے اور نماز پڑھنے کے باوجود ایسی حالت پر کہ جس میں اس سے بے اختیار و بے ربط الفاظ صادر ہوں، لیٹنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ بیدار ہونے کے باوجود غلبۂ نیند کی وجہ سے انسان کا اختیار مغلوب ہوسکتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِيْ الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٧٢١٩، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے خطاء اور نسیان کو اور جس پر اکراہ کیا جائے معاف کردیا ہے (ابنِ حبان)

ظاہر ہے کہ نسیان اور خطاء اور اکراہ کی سب حالتوں میں انسان بیدار ہوتا ہے، مگر پھر بھی ان حالتوں میں بہت سی چیزوں کو درگذر کردیا گیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد، علامہ ابنِ قیم فرماتے ہیں:

أنک تری النائم یقوم فی نومه ویضرب ویبطش ویدافع کأنه یقظان وهو نائم لا شعور له بشیء من ذلک وذلک أن الحکم

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط البخارى، رجاله ثقات رجال الشيخين غير بشر بن بكر، فمن رجال البخارى(حاشية صحيح ابنِ حبان)

لـما جرى على الروح استعانت بالبدن من خارجه ولو دخلت فيه لاستيـقظ وأحس (الـروح فـى الـكـلام عـلـى أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الـكتـاب والسـنة، ص ٦٤، الـمسألة السادسة وهى أن الروح هل تعاد إلى الميت فى قبره وقت السؤال أم لا، فصل الأمر الثانى)

ترجمہ: آپ دیکھتے ہیں کہ سونے والا، اپنی نیند کی حالت میں کھڑا ہوجاتا ہے، اور پکڑ دھکڑ کرتا ہے، اور دفاع کی کوشش کرتا ہے، گویا کہ وہ جاگا ہوا ہو، حالانکہ وہ سویا ہوا ہوتا ہے، جس کو کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا، جس کی وجہ یہی ہے کہ جب حکم روح پر جاری ہوتا ہے، تو روح، دراصل بدن کے ذریعہ خارج سے مدد حاصل کرتی ہے، اور اگر روح، بدن میں داخل ہوجائے، تو وہ بیدار ہوجاتا ہے، اور محسوس کرتا ہے (الروح)

اور اگر کفریہ بات زبان سے جاگتے ہوئے بھی غیرارادی طور پر نکل جائے، اس سے بھی کفر لازم نہیں آیا کرتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُـوبُ إِلَيْـهِ، مِـنْ أَحَـدِكُـمْ كَـانَ عَـلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِـسَ مِـنْ رَاحِـلَتِـهِ، فَبَيْـنَـا هُـوَ كَـذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِـخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ :اللهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٧٤٧ "٧")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے، تو اللہ کو تمہارے اس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے، جو بیابان زمین میں اپنی سواری پر ہو، اور وہ سواری اس سے گم ہوجائے، اور اس کا کھانا پینا بھی اسی سواری پر ہو، پھر وہ اس سواری سے ناامید ہوکر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ جائے، اور وہ اسی حالت پر ہو کہ اچانک اس کی سواری اس کے پاس آ موجود ہو، پھر وہ شخص اس سواری کی لگام پکڑ لے، اور پھر خوشی کی شدت کی وجہ سے یہ کہے کہ اے اللہ! تو

میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، یعنی وہ خوشی کی شدت کی وجہ سے الفاظ اداء کرنے میں خطاء کر جائے (مسلم)

اپنے آپ کو رب اور اللہ کو اپنا بندہ کہنا، کفر ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ غیر ارادی طور پر زبان سے نکلے، اس لیے اس کو کفر قرار نہ دیا گیا، جس طرح نیند کی حالت میں اگر کفریہ الفاظ سرزد ہو جائیں، تو اس سے مسلمان کافر نہیں ہو جاتا۔ [1]

قاضی عیاض مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے صحیح مسلم کی شرح ''إكمالُ المعلم ''میں فرماتے ہیں:

فيه أن ما قاله الإنسان من مثل هذا -من دهش ، وذهول -غير مؤاخذ به إن شاء الله ، وكذلك حكايته عنه على طريق علمي وفائدة شرعية ، لا على الهز والمحاكاة والعبث لحكاية النبى (صلى الله عليه وسلم) إياه ، ولو كان منكرا لما حكاه (إكمال المعلم شرح صحيح مسلم ، للقاضى عياض، ج٨، ص ١٢٠، كتاب التوبة، باب فى الحض على التوبة)

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان دہشت وگھبراہٹ اور ذہول کی وجہ سے، ان جیسے الفاظ کہہ دے، تو اس کا ان شاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا، اور اسی طریقہ سے اس طرح کی بات کو علمی غرض اور کسی شرعی فائدہ کی وجہ سے نقل کرنے پر بھی مؤاخذہ نہیں ہوگا، جب کہ اس کو مذاق اور صرف قصے کے طریقہ پر، اور فضول و بے کار میں نقل نہ کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے، اور اگر اس واقعہ کو نقل کرنے میں برائی ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نقل نہ فرماتے (اکمال المعلم)

اور علامہ ابنِ حجر صحیح بخاری کی شرح ''فتحُ الباری ''میں فرماتے ہیں:

قال عياض فيه أن ما قاله الإنسان من مثل هذا فى حال دهشته وذهوله لا يؤاخذ به وكذا حكايته عنه على طريق علمي وفائدة شرعية لا على الهزل والمحاكاة والعبث ويدل على ذلك حكاية النبى صلى الله

[1] فالنوم ينافى أصل العمل بالعقل لأن النوم مانع عن استعمال نور العقل فكانت أهلية القصد معدومة بيقين فافهم(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج ١، ص ٣٤، كتاب الإيمان)

www.idaraghufran.org

علیہ وسلم ذلک ولو کان منکرا ما حکاہ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱۱، ص۱۰۸، باب التوبة)

ترجمہ: قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان دہشت وگھبراہٹ اور ذہول کی وجہ سے، ان جیسے الفاظ کہہ دے، تو اس کا ان شاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا، اور اسی طریقہ سے اس طرح کی بات کو علمی غرض اور کسی شرعی فائدہ کی وجہ سے نقل کرنے پر بھی مؤاخذہ نہیں ہوگا، جب کہ اس کو مزاق اور صرف قصے کے طریقہ پر، اور فضول و بے کار میں نقل نہ کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ کو نقل فرمایا ہے، اور اگر اس قصہ کو نقل کرنے میں برائی ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نقل نہ فرماتے (فتح الباری)

اور ملا علی قاری مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ثم قال من شدة الفرح :اللهم أنت عبدی وأنا ربک، أخطأ) : أی: بسبق اللسان عن نهج الصواب وهو :أنا عبدک وأنت ربی (من شدة الفرح) کرره لبیان عذره وسبب صدوره، فإن شدة الفرح والحزن ربما یقتل صاحبه ویدهش عقله، حتی منع صاحبه من إدراک البدیهیات

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۴، ص۱۶۱۷، باب الاستغفار والتوبة)

ترجمہ: پھر وہ خوشی کی شدت کی وجہ سے یہ کہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے، اور میں تیرا رب ہوں، وہ خطاء کے طور پر یہ الفاظ کہہ دے، یعنی اس کی زبان درست الفاظ کہنے سے پھر جائے، یعنی یہ کہنا چاہیے تھا کہ ''میں تیرا بندہ ہوں، اور تو میرا رب ہے'' اور وہ یہ الفاظ خوشی کی شدت کی وجہ سے کہے، اس سے اس کے عذر کو، اور اُس سے غلط الفاظ صادر ہونے کے سبب کو بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ خوشی اور غم کی شدت سے بعض اوقات انسان ہلاک ہوجاتا ہے، یا اس کی عقل مدہوش ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ بدیہی چیزوں کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوجاتا ہے (مرقاۃ)

اور علامہ مبارک پوری مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

وفی الحدیث من قواعد العلم إن اللفظ الذی یجری علی لسان العبد

خطأ من فرح شديد أو غيظ شديد، ونحوه لا يؤاخذ به ولهذا لم يكن هذا كافرا بقوله أنت عبدي وأنا ربك (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۸، ص ٦ ،باب الاستغفار والتوبة)

ترجمہ: اوراس حدیث سے علمی یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ بندہ کی زبان سے جولفظ خوشی کی شدت، یا شدید غصہ وغم وغیرہ کی وجہ سے غلط نکل جائیں، تو اس پر اس کا مؤاخذہ نہیں کیا جاتا، اوراسی وجہ سے وہ شخص کافر نہیں ہوا، جس نے یہ کہا کہ ''تو میرا بندہ ہے، اور میں تیرا رب ہوں'' (مرعاۃ)

اس کے باوجود اگر کسی کو حضرت معین الدین چشتی کے مذکورہ واقعہ اور حضرت تھانوی کی مذکورہ تاویل وتعبیر سے اتفاق نہ ہو، تب بھی اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرے، جس کی طرف دینِ اسلام کی جلیل القدر خدمات کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

اوراس بات میں شک نہیں کہ جن لوگوں کا کسی سلسلہ، یا جماعت سے تعلق ہوتا ہے، وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے اقوال اور واقعات میں تو اس طرح کی تاویل کرنا پسند کرتے ہیں، لیکن اپنے سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلہ کے بزرگوں کے اقوال اور واقعات میں اس طرح کی تاویل کو گوارا نہیں کرتے، بلکہ اس قسم کے اقوال اور واقعات کی وجہ سے ان کو بزرگ ماننا تو کجا، ان پر گمراہی، اوراس سے بڑھ کر کفر کے فتوے بھی عائد کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دوسری طرف سے بھی پھر اسی قسم کا ردِ عمل سامنے آتا ہے، اور جو بزرگ اور سابق حضرات اپنے اپنے مقام پر پہنچ چکے، ان کے اخروی درجات طے کرنے کے لئے باہم خوب گتھم گتھا ہوتے ہیں، جو نہایت خطرناک طرزِ عمل ہے۔

اس موقع پر یہ بات سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ جس شخصیت کی بزرگیت متعین طریقہ پر قرآن وسنت سے ثابت نہیں، اس کی بزرگیت کا عقیدہ رکھنا تو اگرچہ سب پر فرض نہیں، لیکن اس طرح برا بھلا کہنا بہرحال جائز نہیں، جس سے مسلمانوں کی دوسری جماعت کے جذبات بھڑکیں، اور عداوت پیدا ہو، بلکہ اس طرح کا طرزِ عمل تو کفار ومشرکین کی طرف سے معظم سمجھے جانے والی ہستیوں کے بارے میں ناپسندیدہ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

www.idaraghufran.org

بجز منصوص علیہ حضرات کے کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا،فرض ہے،اور نہ برا بھلا کہنا جائز(اشرف الاحکام،ص۴۴''عقائد وایمان'' بحوالہ''الافاضات الیومیہ،ج۷،ص ۶۰۳'' مطبوعہ:ادارہ اسلامیات،لاہور،کراچی،تاریخِ طبع:۱۴۲۴ھ)

ایک مقام پر حضرت موصوف فرماتے ہیں:

پہلے لوگوں کا یہ طرز تھا کہ اختلاف اپنی حد پر ہے،اور دوسرے کے کمالات بھی پیشِ نظر ہیں،اب تو ذرا ذرا بات میں اپنے مخالف کو کھلم کھلا برا بھلا کہتے ہیں،نہ کوئی علمی تحقیق ہے،نہ اصول پر مناظرہ ہے،گالیوں سے اور کفر کے فتووں سے رسالے بھرے ہوتے ہیں،کیا اس کو دین کی خدمت کہیں گے (''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیۃ'' مشمولہ: ملفوظاتِ حکیم الامت،ج۸ص۱۹۰،۱۹۱،ملفوظ نمبر۱۹۴،بعنوان''پہلے لوگوں کے اختلاف کا معمول'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان،تاریخِ اشاعت:ربیع الاول۱۴۲۸ھ 1425ہجری)

قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ(سورة البقرة،رقم الآية۱۳۴)

ترجمہ:یہ امت تھی جو گذر چکی،اس کے لئے وہ ہے،جو اس نے کمایا،اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا،اور نہیں سوال کیا جائے گا تم سے ان چیزوں کے بارے میں جو عمل کیا کرتے تھے وہ(سورہ بقرہ)

اور چند آیات کے بعد دوبارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر تاکید کے طور پر ارشاد ہے کہ:

تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورة البقرة،رقم الآية ۱۴۱)

ترجمہ:یہ امت تھی جو گذر چکی،اس کے لئے وہ ہے،جو اس نے کمایا،اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا،اور نہیں سوال کیا جائے گا تم سے ان چیزوں کے بارے میں جو عمل کیا کرتے تھے وہ(سورہ بقرہ)

اور قرآن مجید کی سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ(سورۃ الانعام ،رقم الآیۃ ۱۰۸)

ترجمہ: اور مت سب وشتم کروتم ان لوگوں کو جن کو پکارتے ہیں وہ اللہ کے علاوہ ، پس سب وشتم کریں گے وہ اللہ کو عداوت کے طور پر بغیر علم کے (سورہ انعام)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ (صحیح البخاری،رقم الحدیث ۳۹۱،کتاب الصلاۃ، باب فضل استقبال القبلۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہماری (یعنی مسلمانوں جیسی) نماز پڑھے اور ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) قبلہ کی طرف (عبادت کے لئے) رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، تو تم اللہ کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو (بخاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ، وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ (صحیح البخاری،رقم الحدیث ۶۰۴۵،کتاب الادب،باب ما ینھی من السباب واللعن)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی آدمی بھی دوسرے آدمی کو فاسق ہونے کا الزام لگاتا ہے، یا کفر کا الزام لگاتا ہے، اور وہ اس (کفر ، یا فسق) کا مستحق نہیں ہوتا، تو یہ (کفر، یا فسق کا) الزام اسی (الزام لگانے والے) کی طرف لوٹ کر آجاتا ہے (بخاری)

(جاری ہے.....)

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط1)

حال ہی میں دارالعلوم کراچی کے ایک فاضل ومتخصص صاحب نے ''کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل'' کے عنوان سے ایک تالیف نظر سے گذری، جس میں موصوف نے اجارہ اور اس سے متعلق بعض جدید مسائل پر کلام کیا ہے۔

اس تالیف میں بیان کردہ متعدد مسائل محلِ کلام ہیں، فاضل موصوف کی علمی دیانت داری کا تقاضا تھا کہ آزادانہ تحقیق وتنقید کی ذمہ داری سرانجام دیتے، لیکن فاضل موصوف اپنے مخصوص مزاج کے پیشِ نظر اس سے قاصر رہے۔

اور اس کے بجائے خاص ایک رخ اور جہت سے اپنا قبلہ متعین کر کے چلتے رہے، اور جہاں ان کے سامنے کوئی ایسی چیز آئی، جس سے ان کو اپنے مخصوص رخ کو پھیر کر آسان طریقہ پر آگے نکلنا ممکن تھا، وہاں ایسا کرنے سے کنارہ کشی اختیار کی۔

یوں تو اس تالیف میں کئی مسائل پر مفصل ومدلل کلام کی گنجائش ہے، جن پر ہمیں کلام کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ فاضل موصوف نے اس تالیف میں ہماری طرف سے جاری کردہ ایک مفصل ومدلل فتوے سے نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا، بلکہ اس کے اکابر اور امہاتِ کتبِ فتاویٰ سے بھی ہم آہنگ نہ ہونے کا بھی حکم لگایا، جس کی وجہ سے ہمیں جوابی طور پر کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

چنانچہ ہم نے چند سال قبل کمیشن پر معاملہ کی ایک صورت کے جواز کی گنجائش پر مفصل فتوے کے ذریعہ رجحان ظاہر کیا تھا، اور یہ فتویٰ ماہنامہ ''التبلیغ'' جلد نمبر۱۱، شمارہ نمبر۵، اپریل 2014، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵، از صفحہ نمبر۵۰، تا صفحہ نمبر۷۰، میں شائع ہوا تھا۔

فاضل موصوف نے اس مذکورہ فتوے سے اختلاف کرتے ہوئے اس معاملہ کو اجارہ فاسدہ قرار دے

کرڈیلر کواجرتِ مثل اور ساری قیمت کا مستحق، مالک کو قرار دیا ہے۔

اگر موصوف محض اپنا موقف، اوراس کے دلائل بیان کرنے پر اکتفاء کرتے، تو شاید ہمیں اس پر کلام کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن موصوف نے اس تالیف میں ایک طرف ہماری مذکورہ رائے سے اختلاف کیا، ہمارے بیان کردہ دلائل پر بھی نقد وجرح کی کوشش کی، اوراسی کے ساتھ ہمارے فتوے کے طرز کو اکابر وامہاتِ کتبِ فتاویٰ کے مزاج ومذاق کے مخالف قرار دینے کے بھی درپے ہوئے، اوراس ضمن میں بعض اصولِ افتاء کو بھی زیرِ بحث لائے۔

پہلے فاضل موصوف کا مکمل تبصرہ ملاحظہ کرلیا جائے، تاکہ موصوف کے موقف کی طرف کسی خلافِ واقعہ بات کی نسبت لازم نہ آئے، جیسا کہ فاضل موصوف ہمارے موقف میں متعدد مواقع پر خلافِ واقعہ باتوں کی نسبت کرنے کے مرتکب ہوئے، جس کے بعد ان شاءاللہ اس پر تبصرہ کیا جائے گا۔

فاضل موصوف اپنی تالیف میں ''بعض معاصرین کا قول اوراس کا جواب'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> بعض معاصرین مفتیانِ کرام نے مذکورہ صورت (ٹاپ لگانے) کی گنجائش دی ہے، اور اس کی دو وجہیں، بیان کی ہیں۔
>
> پہلی وجہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابنِ سیرین، اور امام احمد ابنِ حنبل رحمہم اللہ وغیرہ جواز کے قائل ہیں، وہ اس معاملہ کو مضاربت قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حنابلہ نے اس کو وکالت قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔
>
> اور دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ فقہاءِ حنفیہ نے تعامل کی وجہ سے دلال اور کمیشن کے معاملہ کو جائز کہا ہے، حالانکہ اصل مذہب میں یہ ناجائز تھا، لہٰذا جس جگہ اس معاملے کا تعامل اور رواج ہو، وہاں تعامل اور رواج کی وجہ سے یہ جائز ہوگا۔
>
> اور جہاں تعامل نہ ہو، اور کسی نے یہ معاملہ کرلیا، تو وہاں امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے قول اوراس کی دلیل کے معقول ہونے کی وجہ سے اس طرح کے معاملے کو درست قرار دیئے جانے کی گنجائش ہے (التبلیغ: ٦٦، ومابعدہ، شمارہ نمبر، اپریل ٢٠١٤)

مذکورہ رائے اوراس کے دلائل کے بارے میں عرض ہے کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں، اور

علماءِ دیوبند کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقلدینِ احناف کے لئے اپنے مذہب کے راجح قول کے مطابق فتویٰ دینا اور عمل کرنا،ضروری ہے،دوسرے ائمہ کے قول کے مطابق عمل کرنا،یا فتویٰ دینا عام حالات میں جائز نہیں۔

البتہ صرف دوصورتوں میں دوسرے فقہاءِ کرام کے قول پر عمل کرنے،یا فتویٰ دینے کی گنجائش ہے۔

(۱)ضرورت،یا حاجت کی وجہ سے،یعنی جب کسی مسئلہ میں اپنے مذہب پر عمل کرنے میں جان،یا عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو،یا ایسی سخت تنگی اور حرجِ شدید لازم آئے،جو نا قابلِ برداشت ہو۔

(۲)کوئی متبحر فقیہ اور مفتی ہو،جس کی قرآن کریم،اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ پر گہری اور وسیع نظر ہو،اور اس کو کوئی صحیح اور صریح حدیث اپنے امام کے مذہب کے خلاف مل جائے،اور مکمل تحقیق اور تلاش کے باوجود،اس کو اس حدیث کے معارض کوئی ایسی حدیث نہ ملے،جو اپنے امام کے قول کے مطابق ہو،بلکہ اس کے خلاف امام کا قول ہی ہو،جو قیاس پر مبنی ہو،تو ایسی صورت میں وہ مفتی،دوسرے مذہب پر فتویٰ دے سکتا ہے(اصول الافتاء و آدابہٗ:۲۱۷،۲۰۲)

جبکہ مذکورہ مسئلے میں یہ دونوں صورتیں متحقق نہیں ہیں،اول تو اس لئے کہ اس مسئلے میں احناف کے مسلک پر عمل کرنے میں حرج لازم نہیں آتا،وجہ یہ ہے کہ کمیشن اور دلالی متعین کرنے کی متعدد جائز صورتیں موجود ہیں،مثلاً کمیشن معلوم مقدار میں طے کرلیا جائے،یا فی صد کے لحاظ سے طے کرلیا جائے،یا معلوم مقدار بطور کمیشن طے کر کے اضافی رقم کو بطور انعام مقرر کرلیا جائے۔

اس لئے اس معاملہ میں کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے کہ ٹاپ لگانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہو،اور اس کو چھوڑنے میں حرج شدید لازم آتا ہو۔

اور یہ کہنا کہ اس کا تعامل ورواج ہو چکا ہے،تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ تعامل،یعنی

عرف عملی،اس وقت معتبر ہوتا ہے، جب عرفِ عام ہوجائے،اور عرفِ عام وہ ہوتا ہے، جو کسی ایک علاقہ، یا مخصوص طبقہ کے لوگوں تک محدود نہ ہو، بلکہ بہت سے شہروں میں پھیل جائے،اوراس میں اتنا ابتلائے عام ہوجائے کہ اس سے بچنے میں حرجِ شدید لازم آئے(اصول الافتاء و آدابہٗ:۲۵۴)

جبکہ مذکورہ معاملے کا اس طرح عرفِ عام متحقق نہیں ہے،اورفقہائے احناف نے سمسار اور دلال کی اجرت کے جواز کا فتویٰ تعامل اور عرفِ عام کی وجہ سے دیا تھا،اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے لوگوں کو اس کی حاجت پیش آرہی تھی، جبکہ ٹاپ لگانے کے معاملہ میں یہ صورتِ حال نہیں ہے، یہاں کثرتِ تعامل نہیں ہے، بلکہ بعض پراپرٹی ڈیلروں کا عمل ہے،لہٰذا تعامل کی بنیاد پر ٹاپ لگانے کو جائز قرار دینا درست نہیں۔

دوسری صورت بھی یہاں متحقق نہیں، کیونکہ مذکورہ معاملے کے جواز پر کوئی ایسی صریح،صحیح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے اپنے مذہب کو چھوڑا جاسکے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں اس کے جواز کی ایک دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے،اور دوسری دلیل قیاس ہے، جس سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے۔

نیز یہ کہنا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل چونکہ معقول ہے،لہٰذا اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے،اس کے بارے عرض ہے کہ معقولیت تو ائمہ اربعہ کے دلائل میں ہوتی ہی ہے،ایسا کب ہوسکتا ہے کہ مجتہد کی دلیل ہو،اوراس میں معقولیت نہ ہو،صرف دلیل کا معقول ہونا ترجیح کے لیے کافی نہیں،اورایک عالم کی سمجھ کے مطابق اگر ایک دلیل معقول ہے، تو وہ دوسرے علماء پر حجت نہیں، بالخصوص جب معقول سمجھنے والا مجتہد بھی نہ ہو، جب تک اس مسئلہ میں جانبین کے دلائل کا کما حقہ موازنہ کرکے امام احمد رحمہ اللہ کے دلائل کی ترجیح کو ثابت نہ کیا جائے، ورنہ ہر امام کی دلیل میں معقولیت تو ہوتی ہی ہے،اسی وجہ سے تو مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے۔

نیز دلائل کا کما حقہ ادراک اور موازنہ کرنا مجتہدین فقہاء کرام کا کام ہے، جبکہ اس زمانے میں ایسے مجتہد فقہائے کرام موجود نہیں، علامہ شامی رحمہ اللہ شرح عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں:

قد علمت أن الأصح تخيير المفتي المجتهد فيفتي بما يكون دليله أقوى ولا يلزمه المشي على التفصيل ولما انقطع المفتي المجتهد في زماننا ولم يبق إلا المقلد المحض وجب علينا اتباع التفضيل... الخ

(شرح عقود رسم المفتی: ۲۱)

چونکہ اس مسئلے میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی طرف ضرورت، یا شدید حاجت نہیں، لہٰذا محض سہولت اور توسع کی وجہ سے اپنے مذہب کے خلاف عمل کرنا، یا فتوی دینا درست معلوم نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایسا طرزِ عمل اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ اور ان کے مزاج و مذاق کے موافق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الفتاویٰ اور امداد الاحکام وغیرہ امہاتِ کتبِ فتاویٰ میں ایسا کوئی فتوی ہمیں نہیں ملا، جس میں ایسی صورتِ حال میں محض سہولت کی خاطر مذہبِ غیر پر فتویٰ دیا گیا ہو، اور دوسرے امام کے قول کو محض معقول قرار دے کر اس پر عمل کی گنجائش دی گئی ہو۔

ٹاپ لگانے کے مسئلے میں حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ کو جمود وخمود کہنا درست نہیں:

ٹاپ لگانے کے مسئلے میں مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ دینے کو جمود اور خمود قرار دینا بھی انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ خروج عن المذہب کی یہاں نہ ضرورت ہے، نہ حاجتِ عامہ، بلکہ متبادل جائز صورتیں موجود ہیں، پھر عدمِ جواز کا قول صرف احناف کا نہیں ہے، بلکہ جمہور اور اکثر فقہائے کرام عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور جمہور کے قول کی ان تمام روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، جن میں غرر اور جہالت پر مشتمل معاملات کی ممانعت آئی ہے۔

اور اس معاملہ کو مضاربت پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ مضاربت میں رب المال

اور مضارب کا حصہ نفع میں مشاع طور پر طے کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ مذکورہ معاملے میں اجرت اور کمیشن مشاع نہیں ہوتا، بلکہ مخصوص غیر مشاع رقم کمیشن میں وصول کی جاتی ہے، نیز ایجنٹ کو اپنی محنت کا عوض ملنا یقینی بھی نہیں ہوتا، کیونکہ اگر جائیداد اتنی ہی قیمت پر فروخت ہوئی، جتنی رقم مالک نے بتائی تھی، کہ میں لوں گا، اور اضافی رقم جو کمیشن دینے میں طے ہوئی، وہ حاصل ہی نہ ہوئی، تو ایجنٹ کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور مضاربت میں اگر نفع کی تعیین مشاع نہ ہو، بلکہ اس طرح طے ہو کہ سارا نفع ایک کو مل جائے، اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملے، تو یہ صورت بالاجماع جائز نہیں، مضاربت فاسدہ ہے، چنانچہ علامہ ابن منذر اپنی کتاب ''الاجماع'' میں فرماتے ہیں:

وأجمعو على إبطال القراض الذى يشترط أحدهما أو كلاهما لنفسه دراهم معلومة (الاجماع: ۹۸)

ٹاپ لگانے کا معاملہ اس لیے ناجائز ہے کہ اجرت (کمیشن) میں جہالت اور غرر ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ معاملہ کرنے میں مال، یا جائیداد اسی قیمت پر فروخت ہو، جو مالک نے اپنے لیے مقرر کی ہے، مثلاً مالک نے ڈیلر سے کہا کہ میرا یہ مکان فروخت کرو، دس لاکھ روپے مجھے دو، اور باقی آپ کی کمیشن ہے، اب اگر مکان دس لاکھ سے اوپر نہ بکا، دس لاکھ ہی کا فروخت ہوا، تو ایجنٹ کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اس کی محنت ضائع ہو جائے گی، لہٰذا ڈیلر اور ایجنٹ کو نقصان سے بچانے اور بعد میں نزاع اور جھگڑے سے بچنے کا تقاضی یہی ہے کہ اس معاملہ کو اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے، جیسا کہ احناف اور جمہور فقہاء کرام کا مذہب ہے، اور اگر کسی نے ایسا معاملہ کرلیا، تو چونکہ یہ اجارہ فاسدہ ہے، لہٰذا ڈیلر کو اپنی محنت کی اجرتِ مثل ملے گی، اور ساری قیمت مالک کی ہوگی۔

ٹاپ لگانے کی متبادل جائز صورت:

ٹاپ لگانے کا معاملہ تو شرعاً ناجائز ہے، البتہ اس کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ پراپرٹی ڈیلر کے لیے کمیشن کے طور پر کچھ رقم متعین کرلی جائے، خواہ وہ رقم تھوڑی ہو، تاہم متعین اور طے شدہ ہو، اور پھر بطور ترغیب یہ کہا جائے کہ جب جائیداد فروخت

ہوگی، تو اتنی رقم ہمیں دے دینا، اور اس سے زیادہ جو رقم ملے، وہ ہماری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ یا انعام ہے، اس طرح یہ معاملہ بھی جائز ہو جائے گا، کیونکہ اس میں کمیشن طے شدہ اور متعین ہے، اور ایجنٹ کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا (کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل، ص۱۵۱، تا۱۵۷، مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول: نومبر۲۰۲۴ء)

''جعالہ معروفہ'' پر کلام

دارالعلوم کراچی کے فاضل و متخصص موصوف نے ''کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل'' کے عنوان سے تحریر کردہ اس تالیف کے بابِ دوم کے تحت، صفحہ نمبر۵۴ سے صفحہ نمبر۶۶ تک ''کمیشن اور جعالہ'' کے مسئلہ پر کلام کیا ہے۔

اور اس میں حنفیہ کا واضح موقف لکھنے کی ذمہ داری پوری کرنے کے بجائے مبہم انداز میں کلام کیا ہے، اور فقہ حنفی کی امہاتِ کتب میں اس مسئلہ کا ذکر ہونے کے باوجود ان کا ذکر نہیں کیا، اور صفحہ نمبر ۶۰، و۶۱ پر استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے ایک ایسے موقف کو بغیر کسی تحقیق کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا، جس پر اصولِ افتاء کی روشنی میں کلام کرنا، انتہائی ضروری تھا، تاکہ مسلکِ حنفیہ میں کسی قسم کا اشتباہ و التباس لازم نہ آئے۔

لیکن فاضل موصوف نے اس موقع پر اصولِ افتاء کو ایک طرف رکھ دیا۔

چنانچہ فاضل موصوف نے استاذِ محترم موصوف کی تالیف ''اسلام اور جدید معاشی مسائل'' کے حوالہ سے نقل کیا کہ:

> ''ایسی کوئی صراحت موجود نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہو کہ جعالہ حرام ہے، البتہ جعالہ کے جواز پر بھی ان کی کوئی روایت موجود نہیں ہے.....
>
> ورنہ دلائل کے نقطۂ نظر سے قرآن کریم کی آیت ''**ولمن جاء به حمل بعير**'' کی روشنی میں جعالہ کا جواز واضح ہے، اس واسطے متاخرینِ حنفیہ نے سمسرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے.....

اورعلامہ ابنِ قدامہ نے المغنی میں صراحتا امام ابوحنیفہ سے بھی جواز نقل کیا ہے،فرماتے ہیں کہ:

الجعالة فی رد الضالة والآبق وغیرهما جائزة .وهذا قول أبی حنیفة، ومالک والشافعی .ولا نعلم فیه مخالفا

تو صحیح بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی سمسرہ جائز ہے(کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل،ص۶۰و۶۱،مطبوعہ:مکتبہ معارف السنۃ،کمیٹی چوک،راولپنڈی،طبع اول۲۰۲۴ء)

اگر فاضل موصوف عصبیت اور''حق کو رجال سے پہچاننے'' کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے سے بالاتر ہوکر اپنے استاذ محترم مدظلہ کی تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اعانت فرماتے،اور حصہ دار بنتے،تو یہ ان کے سعادت مند شاگرد ہونے کی علامت ہوتا،لیکن افسوس کہ وہ اس موضوع سے متعلق مستقل تالیف کی شکل میں قلم اٹھانے کے باوجود اس سعادت سے محروم رہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جعالہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موقف کو معلوم کرنے کے لئے ابنِ قدامہ حنبلی کے بجائے حنفیہ کی کتب کی طرف رجوع کیا جاتا،جن میں یہ مسئلہ شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے،تو یہ اشتباہ لازم نہ آتا کہ امام ابوحنیفہ مروجہ جعالہ کے جواز کے قائل ہیں،اور نہ ہی قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے متعلق مذکورہ توجیہ کی نوبت آتی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے والے کے لئے''جعل'' کو جائز قرار دیا ہے،وہ آقا کی طرف سے کسی پیشکش،اور مقدار کو طے کئے بغیر جائز کہا ہے،اور اس کی مقدار کو آقاء کی اجازت کے بغیر آثار کی روشنی میں مقرر کیا ہے،جو''جعالہ معروفہ'' سے بالکل مختلف عمل ہے۔

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ''کتابُ الاصل''میں فرماتے ہیں:

قلت :أرأیت الغلام أو الأمة إذا أبق فأخذه رجل فرده إلی مولاه أتجعل له جعلا؟ قال: إذا کان أخذه خارجا من المصر أو فی المصر فإنی أستحسن أن أجعل له من ذلک علی قدر المکان الذی تعنی إلیه وعلی قدر المکان الذی أخذه فیه، إلا أن یکون أخذه علی مسیرة ثلاثة أیام فصاعدا .فإن کان کذلک جعلت له أربعین درهما کلها (کتاب الاصل،ج۹،ص۳۶۸،کتاب جعل الآبق)

اورامام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

مسألة :(الجعل لراد العبد الآبق)قال :(ومن وجد عبدا آبقا خارج المصر علی مسیرة ثلاثة، فرده :فله جعله أربعون درهما.

www.idaraghufran.org

قال أحمد :القياس أن لا شيء له، كمان لو رد بعيرا أو بقرة، إلا أن الصحابة اتفقت على لزوم الجعل على الآبق، واختلفوا فی مقداره .وإنما جاء اختلافهم فی المقدار عندنا، من أجل اختلاف المسافة فی القرب والبعد، فمن قال بأربعين، فهو على مسيرة ثلاثة، ومن قال بأقل، فعلى قدر المسافة .قال :(فإن كان العبد لا يساوی أربعين درهما، فللذی جاء به قيمته إلا درهما، فی قول أبی حنيفة)وذلک إنما جعل له الجعل ترغيبا للناس فی رد الأباق، فيؤدی ذلک إلى حفظ عبيدهم، فإذا استغرقت القيمة الجعل :لم يجز أن يوجب عليه مثل القيمة، إذ لا نفع للمولى حينئذ فيه .وأبو يوسف ومحمد قالا :له أربعون درهما، قلت قيمته أم كثرت؛ لأن الصحابة حين أوجبت ذلک، لم تفرق بين قليل القيمة وكثيرها(شرح مختصر الطحاوی، ج۴، ص۶۵، كتاب اللقطة والآبق)

اورامام قدوری فرماتے ہیں:

"جعل من رد الآبق من مسيرة سفر"قال أصحابنا :من رد آبقا على مولاه من مسيرة سفر فله أربعون درهما وإن رده من أقل ذلک فبحسابه .وقال الشافعی :إن شرط المولى جعلا فقال :من جاء بعبدی فله كذا استحق الذی رده ما شرط وإن لم يشترط جعلا لم يستحق شيئا.لنا :ما روى ابن أبی مليكة عن النبی -صلى الله عليه وسلم -قال :(من رد آبقا من خارج الحرم فله دينار(التجريد للقدوری، ج۸، ص۳۸۸۲، كتاب اللقطة)

مذکورہ عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ امام شافعی اسی صورت میں جعل کو قابلِ استحقاق ٹھہراتے ہیں، جب آقا اس کی شرط لگائے، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ جعل شرط کے بغیر خود شریعت سے طے شدہ ہے۔

اورآگے امام قدوری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کو بطور جعالہ مقرر کرنے کی بھی نفی کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ولأنهم اتفقوا على وجوب الجعل واختلفوا فی قدره فمن قال لا يجب فقد خالف الإجماع.....فإن قيل :يجوز أن يكون النبی -صلى الله عليه وسلم -قال ذلک فی عبد آبق تشترط لمن جاء به على طريق الجعالة.قلنا :ذكر آبقا مجهولا ولأنه صلى الله عليه وسلم لا يشتر الجعالة فی ملک غيره(التجريد للقدوری، ج۸، ص۳۸۸۴، كتاب اللقطة)

اوراسی تالیف میں ایک مقام پر امام قدوری نے جعالہ کی معرفت نہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

قلنا :الجعالة لا نعرفها(التجريد للقدوری، ج۶، ص۳۰۳۷، كتاب الشركة)

اورھدایہ میں ہے کہ:

ومن رد آبقا على مولاه من مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا فله عليه جعله أربعون درهما وإن رده لأقل من ذلک فبحسابه "وهذا استحسان والقياس أن لا يكون له شيء إلا بالشرط وهو قول الشافعی رحمه الله لأنه متبرع بمنافعه فأشبه العبد الضال.

ولنا أن الصحابة رضوان الله عليهم اتفقوا على وجوب أصل الجعل إلا أن منهم من أوجب أربعين ومنه من أوجب ما دونها فأوجبنا الأربعين فی مسيرة السفر وما دونها فيما دونه توفيقا وتلفيقا بينهما ولأن إيجاب الجعل أصله حامل على الرد إذ الحسبة نادرة فتحصل صيانة أموال الناس والتقدير بالسمع ولا سمع فی الضال فامتنع ولأن الحاجة إلى صيانة الضال دونها إلى صيانة الآبق لأنه لا يتوارى والآبق يختفی ويقدر الرضخ فی الرد عما دون السفر باصطلاحهما أو يفوض إلى رأی القاضی وقيل تقسم الأربعون على الأيام الثلاثة إذ هی أقل مدة السفر.

قال " :وإن كانت قيمته أقل من أربعين يقضی له بقيمته إلا درهما (الهداية فی شرح بداية المبتدی، ج۲، ص۴۲۱، كتاب الاباق)

اس عبارت میں بھی امام شافعی کے اس اختلاف کا ذکر ہے، جو ''جعالہ معروفہ'' کہلاتا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک جعالہ معروفہ جائز نہیں، امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

اور امام محمد ''کتابُ الاصل'' میں فرماتے ہیں:

وقال أبو حنيفة :لا يجوز الجعل فی هذا .ولو استأجره بدراهم مسماة شهورا مسماة يخرج عنه فی بعث لم يجز ذلک.

وقال أبو حنيفة :الجعائل التی تكون فی البعوث مردودة لا تجوز، ولا يجوز الصلح فی ذلک .وإن اصطلحوا على عروض فی ذلک أو حيوان فجعل المتخلف فی ذلک للشاخص لم يجز فی قول أبی حنيفة .وكذلک لو جعل الراجل للفارس فإنه لا يجوز(كتاب الاصل، ج۱۱، ص۱۶۲، باب الصلح فی العطاء)

اور شمس الائمہ سرخسی نے اس کی مزید توضیح بھی کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ثم الشافعی استحسن برأيه فی هذه المسألة من وجه فقال :لو كان المولى خاطب قوما فقال :من رد منكم عبدی فله كذا فرده أحدهم استوجب ذلک المسمى، وهذا شیء يأباه القياس؛ لأن العقد مع المجهول لا ينعقد، وبدون القبول كذلک، ولا شک أن الاستحسان الثابت باتفاق الصحابة -رضی الله عنهم -خير من الاستحسان الثابت برأی الشافعی -رضی الله عنه -، ولا حجة له فی قوله تعالى :"ولمن جاء به حمل بعير"لأن ذلک كان خطابا لغير معين، وهو لا يقول به، فإنه لو قال :من رده فله كذا ولم يخاطب به قوما بأعيانهم فرده أحدهم لا يستحق شيئا، ثم هذا تعليق استحقاق المال بالخطر وهو قمار، والقمار حرام فی شريعتنا، ولم يكن حراما فی شريعة من قبلنا(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۱۱، ص۱۸، كتاب الاباق)

اس عبارت میں حنفیہ کے نزدیک ''جعالہ معروفہ'' کا قمار کی طرح حرام ہونا بھی معلوم ہوگیا، ساتھ ہی حنفیہ کی طرف سے اس آیت کا بھی جواب ہوگیا، جو فاضل موصوف نے، استاذِ محترم کے حوالہ سے ''جعالہ'' کے واضح جواز سے متعلق نقل کی ہے۔

اور شمس الائمہ سرخسی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وإذا قال الرجل :من جاء نی بمتاعی من مکان کذا فله درهم فذهب رجل فلم یجد المتاع ثم جاء فلا أجر له أما إذا ذهب فجاء بالمتاع فله أجر مثله لا یجاوز به المسمی عندنا وعلی قول الشافعی له المسمی لقوله تعالی"ولمن جاء به حمل بعیر وأنا به زعیم"وما أخبر الله -تعالی -من الأمم السالفة فهو ثابت فی حقنا حتی یقوم دلیل النسخ ولکنا نقول :هذا استئجار المجهول، واستئجار المجهول باطل إلا أنه إذا حمله إنسان بعد ما سمع کلامه، فإنما جاء به علی جهة تلک الإجارة، وقد رضی القائل بذلک فیستوجب أجر المثل باعتبار أن جهة الشیء بمنزلة حقیقته فأما إذا ذهب فلم یجد المتاع فرجع لم یکن له الأجر. بخلاف ما إذا خاطب به إنسانا بعینه فهناک یستحق أجر الذهاب؛ لأن العقد انعقد بینهما حین خاطبه بعینه فکان هو فی الذهاب عاملا للمستأجر ساعیا فی تحصیل مقصوده فیستحق أجر الذهاب.

وهنا العقد ما انعقد بین المستأجر وبین الذاهب؛ لأنه لم یخاطبه بعینه، وإنما یکون انعقاد العقد باعتبار مجیئه بالمتاع، وإذا لم یجیء بالمتاع لم یکن عاملا له فی الذهاب والمجیء بحکم العقد فلهذا لا یستوجب شیئا من الأجر(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۳۰، ص۲۰۳، کتاب الشروط)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ''جعالہ معروفہ'' میں اگر جگہ کی تعیین بھی کردی جائے،تو وہ بھی اجارہ فاسدہ ہوتا ہے،اسی لئے اجرِ مثل کا مستحق قرار پاتا ہے،لیکن امام شافعی کے نزدیک اجر مسمیٰ کا مستحق قرار پاتا ہے،جس کی وجہ یہی ہے کہ''جعالہ معروفہ''امام شافعی کے نزدیک جائزاور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

البتہ اگر کسی خاص شخص کو مخاطب کرکے،مخصوص جگہ سے سامان وغیرہ لانے پر'' جعل''مقرر کرے،تو یہ صورت ہر طرح کی جہالت وغرر سے پاک ہوکر اجارہ میں داخل ہے،اور حنفیہ کے نزدیک''اجارہ'' جائز ہے''جعالہ'' جائز نہیں،اسی لئے جب تک وہ اجارہ کی شرائط پر پورا نہ اترے،ناجائز ٹھہرتا ہے۔

اور''الدر المختار''میں ہے:

(ولا شیء للملتقط) لمال أو بهیمة أو ضال (من الجعل أصلا) إلا بالشرط کمن رده فله کذا فله أجر مثله تتارخانیة کإجارة فاسدة(الدر المختار)

اس عبارت میں''جعالہ معروفہ''میں اجرِ مسمیٰ کے بجائے اجرِ مثل کا ملنا،حنفیہ کے نزدیک''جعالہ'' کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔

اور مذکورہ عبارت کی شرح میں علامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:

(قوله: أصلا) أي سواء التقطه من مكان قريب أو بعيد، بخلاف الآبق كما يأتي .وفي كافي الحاكم: وإن عوضه شيئا فحسن (قوله: فله أجر مثله) علله في المحيط بأنها إجارة فاسدة .واعترضه في البحر بأنه لا إجارة أصلا لعدم من يقبل .وأجاب المقدسي بحمله على أنه قال ذلك لجمع حضر.

قلت: يؤيده ما في إجارات الولوالجية: ضاع له شيء فقال من دلني عليه فله كذا فالإجارة باطلة؛ لأن المستأجر له غير معلوم والدلالة ليست بعمل يستحق به الأجر فلا يجب الأجر؛ وإن خصص بأن قال لرجل بعينه إن دللتني عليه فلك كذا، إن مشى له ودله يجب أجر المثل في المشي؛ لأن ذلك عمل يستحق بعقد الإجارة إلا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر المثل، وإن دله بلا مشي فهو والأول سواء .اهـ .وبه ظهر أنه هنا إن خصص فالإجارة فاسدة لكون مكان الرد غير مقدر فيجب أجر المثل، وإن عمم فباطلة ولا أجر، فقوله كإجارة فاسدة الأولى ذكره بصيغة التعليل كما فعل في المحيط(ردالمحتار، ج۴، ص ۲۸۱، ۲۸۲، كتاب اللقطة)

اس سے مسئلہ پوری طرح صاف ہوگیا کہ حنفیہ کے نزدیک ''جعالہ معروفہ'' جائز نہیں۔

اور''الدر الختار''میں ایک مقام پر ہے:

إن دلني على كذا فله كذا فدله فله أجر مثله إن مشى لأجله من دلني على كذا فله كذا فهو باطل ولا أجر لمن دله إلا إذا عين الموضع(الدر المختار)

اس عبارت میں ''جعالہ معروفہ'' کے ناجائز ہونے کی وضاحت صاف صاف موجود ہے۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے مذکورہ عبارت کی شرح میں فرمایا کہ:

[مطلب ضل له شيء فقال من دلني عليه فله كذا]

(قوله إن دلني إلخ) عبارة الأشباه إن دللتني .وفي البزازية والولوالجية: رجل ضل له شيء فقال: من دلني على كذا فهو على وجهين: إن قال ذلك على سبيل العموم بأن قال: من دلني فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر، وإن قال على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه: إن دللتني على كذا فلك كذا إن مشى له فدله فله أجر المثل للمشي لأجله؛ لأن ذلك عمل يستحق بعقد الإجارة إلا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر المثل، وإن دله بغير مشي فهو والأول سواء .قال في السير الكبير: قال أمير السرية: من دلنا على موضع كذا فله كذا يصح ويتعين الأجر بالدلالة فيجب الأجر اهـ(قوله إلا إذا عين الموضع) قال في الأشباه بعد كلام السير الكبير: وظاهره وجوب المسمى، والظاهر وجوب أجر المثل إذ لا عقد إجارة هنا، وهذا مخصص لمسألة الدلالة على العموم لكونه بين الموضع اهـ يعني أنه في الدلالة على العموم تبطل إلا إذا عين الموضع فهي مخصصة أخذا من كلام السير؛ لأن قول الأمير على موضع كذا فيه تعيينه، بخلاف من ضل له شيء فقال: من دلني على كذا: أي على

تلک الضالة فلا تصح لعدم تعيين الموضع إلا إذا عرفه باسمه ولم يعرفه بعينه فقال: من دلني على دابتي في موضع كذا فهو كمسألة الأمير، وهذا معنى قول الشارح إلا إذا عين الموضع، وقول الأشباه والظاهر وجوب أجر المثل إلخ، وحاصله البحث في كلام السير، فإنه حيث كان عاما لم يوجد قابل يقبل العقد فانتفى العقد.أقول: حيث انتفى العقد أصلا كان الظاهر أن يقال: لا يجب شيء أصلا كما في مسألة الضالة .والجواب عما قاله ما ذكره الشيخ شرف الدين من أنه يتعين هذا الشخص والعقد بحضوره وقبوله خطاب الأمير بما ذكر، فيجب المسمى لتحقق العقد بين شخصين معينين لفعل معلوم. وأما إذا لم يكن الفعل معلوما كمسألة الضالة فلا يجب شيء، بخلاف ما إذا كان الشخص معينا لوقوع العقد حينئذ على المشي لكنه غير مقدر فوجب أجر المثل فقد ظهر الفرق بين المسائل الثلاث، وقد خفي على بعض محشي الأشباه فوقع في الاشتباه، نعم يمكن أن يقال لم يتعين الشخص بحضوره وقبوله خطاب صاحب الضالة كمسألة الأمير فينعقد العقد على المشي وإن لم يتعين الموضع كما لو خاطب معينا فليتأمل (ردالمحتار، ج٦، ص٩٥، كتاب الاجارة،باب فسخ الاجارة)

مذکورہ عبارت سے نہ صرف یہ کہ حنفیہ کے نزدیک ''جعالہ معروفہ'' کا ناجائز ہونا واضح ہوا،اسی کے ساتھ بادی النظر میں چند متعارض محسوس ہونے والی صورتوں کے تعارض کا جواب بھی معلوم ہوگیا۔

اور'' الاختيار لتعليل المختار ''میں ہے کہ:

(وليس في رد اللقطة والضالة والصبي الحر شيء واجب) ;لأنه متبرع في الرد فإن أعطاه المالك شيئا فحسن، بخلاف الآبق لأن جعله واجب نصا لا قياسا .وعن الكرخي في اللقطة: إذا قال من وجدها فله كذا فله أجر مثله ;لأنها إجارة فاسدة(الاختيار،لتعليل المختار، ج٣، ص٣٤، كتاب اللقطة)

مذکورہ عبارت سے بھی نہ صرف یہ کہ حنفیہ کے نزدیک جعالہ معروفہ کا ناجائز ہونا واضح ہوا،اسی کے ساتھ ''عبدِ آبق'' پر ملنے والے جعل کا ''جعالہ معروفہ'' سے فرق بھی واضح ہوگیا۔

اور'' مجمعُ الانهر ''میں ہے کہ:

ولو قال من وجده فله كذا فأتى به إنسان يستحق أجرة مثله كما في التتارخانية وعلله في المحيط بأنها إجارة فاسدة لكن فيه نظر لأنه لا قبول لهذه الإجارة فلا إجارة أصلا كما في البحر هذا مسلم إن وجده قبل هذا القول أما إن وجده بعده فيستحق الأجرة مثله، تأمل(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص٧٠٧)

یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کی فقہی کتبِ مطولہ میں بھی حنفیہ کا یہی موقف ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ''الموسوعةُ الفقهية الكويتية''میں ہے:

وقال الحنفية :بعدم جوازها في غير جعل العبد الآبق، ودليل المنع عندهم ما في

الجعالة من تعليق التملک علی الخطر (أی التردد بين الوجود والعدم) كما أن الجعالة التی لم توجه إلی معين لم يوجد فيها من يقبل العقد فانتفی العقد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۰۹، مادة"جعالة")

اور"الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ" میں ہے:

ولم يجزها الحنفية، لما فيها من الغرر والخطر أی الجهالة والاحتمال بالنسبة للملتزم وبالنسبة للقائم بالعمل الذی لا يدری ما يحتاجه من مجهود لإنجاز العمل (الفِقْهُ الإسلامیُّ وأدلَّتُهُ، ج۴، ص۲۲۲۹)

اور مذکورہ تالیف میں دوسرے مقام پر ہے کہ:

مشروعية الجعالة: لا تجوز الجعالة عند الحنفية لما فيها من الغرر أی جهالة العمل والمدة قياسا علی سائر الإجارات التی يشترط لها معلومية العمل والمأجور والأجرة والمدة. وإنما أجازوا فقط استحسانا دفع الجعل لمن يرد العبد الآبق، ولو بلا شرط، من مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا، ومقدار الجعل أربعون درهما، تغطية للنفقة فی مدة السفر. وإن رده لأقل من ذلک المقدار، فبحسابه، اعتبارا للأقل بالأكثر، فإذا رده مثلا من مسافة يومين فله ثلثاها، ومن يوم ثلثها، ومن رده من أقل منه، أو وجده فی البلد يرضخ له، أی يعطی بنسبة عمله. وسبب استحقاق الجعل: هو أخذ الآبق لصاحبه. فدفع الجعل طريق للمالک لصيانة ماله.

وتجوز الجعالة شرعا عند المالكية والشافعية والحنابلة، بدليل قوله تعالی فی قصة يوسف مع إخوته: (قالوا: نفقد صواع الملک، ولمن جاء به حمل بعير، وأنا به زعيم) (يوسف) أی كفيل (الفِقْهُ الإسلامیُّ وأدلَّتُهُ، ج۵، ص۳۸۶۶)

اور ہمیں فقہائے متاخرینِ حنفیہ میں سے کسی سے "جعالہ" کا جواز دستیاب نہیں ہوا۔

اور جہاں تک سمسار کا تعلق ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ بھی ناجائز ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وقال أبو حنيفة فی السمسار فی جميع ما ذكرنا فی هذا الكتاب: ما كان من ذلک فاسدا إذا اشتری أو باع فله أجر مثله، لا يجاوز به ما سمی له من الأجر (كتاب الاصل، ج۳، ص۴۵۲، كتاب الاجارات، باب السمسار والذی يشتری بالأجر)

اور ایک مقام پر امام محمد فرماتے ہیں:

وقال أبو حنيفة: لا يجوز أجر السمسار وإن اشترط علی كل ثوب أجرا مسمی أو علی كل ألف درهم أجرا مسمی؛ لأن شراءه ذلک مجهول لا يعرف وقته كم يكون.

وقال أبو حنيفة: لا يجوز أجر الزمار ولا أجر الطبال ولا شیء مما يغنی به، ولا تحل إجارته ولا تصلح. وقال أبو حنيفة: كل إجارة فيها رزق الغلام أو علف الدابة فإنه فاسد لا يجوز؛ لأن هذا مجهول. إلا أنه كان يستحسن ذلک فی باب واحد، فی طعام الظئر

فإنه كان أبو حنيفة يجيزه .وقال أبو يوسف ومحمد :الطئر وغيرها سواء ، وهو فاسد(كتاب الاصل، ج۴،ص ۲۱،كتاب الاجارات،باب الإجارة الفاسدة وما لا يجوز منها)

اورایک مقام پرفرماتے ہیں:

قلت :أرأيت السمسار أتكره له ما يأخذ؟ قال :نعم. (كتاب الاصل، ج۹،ص ۲۱،كتاب الاجارات،باب السمسار وغير ذلك والوجه فيه)

اور''النتف فی الفتاویٰ''میں ہے:

والخامس اجارة السمسار لايجوز ذلك وكذلك لو قال بع هذا الثوب بعشرة دراهم فما زاد فهو لك وان فعل فله اجر المثل (النتف فی الفتاوی، ج۲،ص۲۷۵،كتاب الاجارة،اجارة السمسار)

اورعلامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:

[تتمة]قال فی التتارخانية: وفی الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن فی كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم .وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان فی الأصل فاسدا لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام وعنه قال: رأيت ابن شجاع يقاطع نساجا ينسج له ثيابا فی كل سنة (ردالمحتار، ج۶،ص۶۳،كتاب الاجارة،باب الاجارة الفاسدة،مطلب فی أجرة الدلال)

پس مذکورہ عبارات سے بصراحت ووضاحت معلوم ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ اور متقدمین ومتاخرینِ حنفیہ کے نزدیک ''جعالہ معروفہ'' ناجائز ہے،اور دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

اور امام محمد کی کتب اور حنفیہ کی دیگر معتبر کتب کے صریح حوالہ جات کے ہوتے ہوئے علامہ ابنِ قدامہ حنبلی کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کی طرف ''جعالہ معروفہ'' کے جواز کی نسبت کرنا،اور پھر بعد میں فاضل موصوف کا محض حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے اعتماد پر اس کو مِن وعَن نقل کرنا،اور اس تسامح وخطاء کی نشان دہی نہ کرنا،درست نہیں،وہ الگ بات ہے کہ کسی کا اس خطاء پر مؤاخذہ نہ ہو، بلکہ وہ ایک اجر کا مستحق ہو۔

لیکن اسی کے ساتھ کون سا مسلک،کس امام ومجتہد کا ہے؟اس کو اس کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے،اور اس نسبت میں خطاء کے ارتکاب کی نشان دہی کرنا،اپنی جگہ ضروری ہے۔

پھر اس کے بعد یہ الگ مرحلہ ہے کہ کس کے نزدیک کونسا موقف راجح ہے۔

اور ہم بغیر کسی خیانت اور بغیر خوف لومۃِ لائم،اور کسی مذہب میں اشتباہ والتباس کئے بغیر،اور جعالہ کے

عرف ورواج ہونے نہ ہونے کی بحث میں پڑے بغیر جمہور کے موقف کو برملا طور پر راجح سمجھتے ہیں۔
اور اسی کے ساتھ ہم سمسار کے بھی جواز کے قائل ہیں۔
یہ ہمارا واضح موقف ہے، اور ہم علمی وفقہی امور میں عوام کو دھوکہ میں رکھ کر فتویٰ جاری کرنے کو روا نہیں سمجھتے، بلکہ اجتہادی واختلافی امور میں جس کا جو قول ومذہب ہے، اس کی نشاندہی کر کے، محققینِ حنفیہ کی طرف سے اجتہاد وتقلید، اور افتاء واستفتاء سے متعلق بیان کردہ اصول وقواعد کے مطابق فتویٰ دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔
اسی کے ساتھ ہم اس قسم کے اجتہادی واختلافی مسائل میں تشدد، اور جمود وخمود کو روا نہیں سمجھتے، اور نہ ہی الحمدللہ تعالیٰ دین کے کسی حکم سے متعلق اپنے موقف کے برملا اظہار میں فاضل موصوف، یا کسی اور کی طرف سے ملامت کا خوف رکھتے۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ لین دین وغیرہ میں آج کل نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، اور اکثر احکامِ شرعیہ کے خلاف عملدرآمد ہو رہا ہے، اور ان سے اجتناب کرنے کو لوگ دشوار سمجھتے ہیں۔
حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا کہ:

> میں نے تو ایک عرصہ ہوا، اس وقت چاہا تھا کہ سب اہلِ معاملہ، اپنے اپنے معاملات کو سوال کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دیدیں، چاہے، وہ تجارت ہو، یا زراعت پیشہ، یا ملازمت پیشہ، وغیرہ وغیرہ۔
> میں کوشش کر کے ان کے متعلق (مختلف فقہاء کی) روایتیں جمع کر دوں گا، اور احکام بتلادوں گا۔ مگر کسی نے میری مدد نہ کی، بڑے کام کی کتاب ہوتی۔
> اسی کے متعلق میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ کثیر الوقوع معاملات پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے، تو کوئی حرج تو نہیں؟
> حضرت نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں، اس سے بہت قوت ہوگئی تھی کہ اب تو کوئی مانع ہی نہیں رہا، اور میں خود اس لئے نہیں لکھ سکا کہ مجھ کو معاملات، یا واقعات ہی کی خبر نہیں۔

اس لئے اگر تجارت پیشہ، زراعت پیشہ، ملازمت پیشہ، اہلِ صنعت وحرفت، یہ سب ان چیزوں کے متعلق واقعات، بصورتِ استفتاء جمع کر کے (مجھے) دے دیتے، تو میں سوال و جواب کی صورت میں ان کے احکام جمع کر دیتا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا، تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعی کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا، امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا، امام احمد بن حنبل کے مذہب پر فتویٰ دے دوں گا، اور اگر ان (تمام فقہاء ومجتہدین) سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی (اور ان مسائل کا عدمِ جواز، اجتہادی واختلافی کے بجائے، اجماعی وقطعی ہوگا) تو ان کی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کرلیا کرو، جس صورت سے (اس اجماعی مسئلہ کا) جواز نکل آتا (وہ تدبیر بتلا دیتا، جس کی وجہ سے اجماعی مسائل میں بھی مشکلات سے نجات کی راہیں نکل آتیں) اور اگر کوئی بات سمجھ سے باہر ہوتی، تو اس کا کوئی علاج نہیں، معذوری ہے، اب اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں رہی (''الافاضات الیومیہ'' مشمولہ: ملفوظات حکیم الامت، ج۶، ص۲۱۴و۲۱۵، ملفوظ نمبر:۲۲۶، بعنوان ''ایک ضروری رسالہ کی تصنیف کی ضرورت'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: محرم1424ہجری)

ہم بحمد اللہ تعالیٰ اجتہادی واختلافی، اور اجماعی وقطعی مسائل کی تقسیم وتفریع کے ساتھ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی اسی اصولی ہدایت پر عمل پیرا ہیں، اور اس اصول کے انطباق میں بعض جزوی وفرعی شرائط سے اختلاف کو مذموم نہیں سمجھتے، اور ہمارے اس جزوی وفرعی اختلاف کی وجہ بھی سلف محققین کی پے در پے تصریحات ہیں۔

اگر وہ تصریحات حائل نہ ہوتیں، تو ان جزوی وفرعی امور میں بھی اختلاف کی مجبوری پیش نہ آتی۔

فاضل موصوف کی اس کتاب میں اور بھی کئی چیزیں محلِ کلام ہیں، لیکن وہ اس وقت ہمارا اصل موضوع نہیں، نہ ہی ہم ان پر کلام کی ضرورت سمجھتے۔

افسوس کہ فاضل موصوف کی طرف سے ہمارے مفصل فتوے پر کئے گئے مذکورہ اعتراضات وشبہات تلبیس، عصبیت، اور جمود وخمود کے مجموعہ سے عبارت ہیں، جن پر ذیل میں کلام کیا جاتا ہے۔ (جاری ہے.....)

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط110 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت موسیٰ اور خضر (حصہ:11)

حضرت خضر کے ساتھ سفر کے دوران، حضرت موسیٰ کو جو تیسرا واقعہ پیش آیا تھا، وہ ایک گاؤں کا تھا، جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر یہاں پہنچے، تو گاؤں والے اتنے بے مروت تھے کہ انہوں نے ان بزرگوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، لیکن اس کے باوجود وہاں پر ایک دیوار تھی، جو گرنے کے قریب تھی، جس کو حضرت خضر نے ٹھیک کر دیا، اس پر حضرت موسیٰ نے اشکال کیا تھا۔

جس کے بعد دنوں حضرات نے باہمی رضامندی سے جدائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن حضرت خضر نے جدائی سے قبل ان تینوں امور کی وجوہات بھی بتلا دی تھیں، تاکہ حضرت خضر جو کام کر رہے تھے، اس کی وضاحت ہو جاتی کہ انہوں نے یہ سارے کام اپنی مرضی سے نہیں کیے تھے، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت شامل تھی۔

چنانچہ حضرت خضر نے تیسرے واقعہ میں دیوار کے درست کرنے کا وجہ یہ بتلائی کہ یہ دیوار، دراصل یتیم بچوں کی تھی، جو کہ گرنے ہی والی تھی، اور اس دیوار کے نیچے ان کا ایک خزانہ مدفون تھا، جو ان کے نیک والد نے چھپایا تھا، اور اگر یہ دیوار گر پڑتی، تو یہ خزانہ ظاہر ہو جاتا، اور لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا، اور ان کا والد ایک نیک صالح اور اللہ کے نزدیک مقبول شخص تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے، اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا، اور ان کی یہ دیوار میرے ذریعے سے درست کرا دی، اب یہ بڑے ہو کر خود اپنے باپ کی دفن شدہ دولت نکال کر اپنے استعمال میں لا سکیں گے، اور یہ خزانہ آپ کے رب کی رحمت، اور ہمارا یتیموں کی خدمت کرنا، یہ سب اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے، اور یہ بات یاد رکھیں، یہ کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ومشیت سے کیا۔

لے ومعنى الآية أن هذا الجدار إنما أصلحته لأنه كان لغلامين يتيمين فى المدينة، وكان تحته كنز لهما . قال عكرمة وقتادة وغير واحد: وكان تحته مال مدفون لهما، وهو ظاهر السياق من الآية، وهو اختيار ابن جرير رحمه الله(تفسير ابنِ كثير، ج٥ ص١٦٧ ، سورة الكهف) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اورآخر میں فرمایا کہ یہ ہے ان سارے کاموں کی حقیقت، جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

قرآن مجید کی سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا (سورة الكهف، رقم الآية ٨٢)

یعنی ''رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ دفن تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس لیے آپ کے رب نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا''۔

قرآن مجید کی آیت سے ظاہر اور متبادر تو اس سے یہی ہے کہ اس باپ سے مراد، ان کا حقیقی باپ تھا، اور اسی نے یہ خزانہ دفن کیا تھا، مگر بعض روایات کے مطابق یہ شخص ان کا دور کا باپ اور ان کا جدِّ امجد تھا، جس کی ساتویں پشت میں یہ لڑکے پیدا ہوئے تھے، اور بعض میں دسویں پشت کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کی نیکی اور ان کا صالح ہونا، ان کی اولاد کے کام آتا ہے، اگرچہ اتنی دور جا کر ہو۔ [1]

سارے واقعہ کے اختتام پر حضرت خضر نے فرمایا کہ یہ سب کچھ جو میں نے کیا ہے، یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ اپنے خالق و مالک کے حکم اور ارشاد کے مطابق ہی کیا ہے، اور اس میں میرے ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما المسألة الثالثة: وهي إقامة الجدار فقد أجاب العالم عنها بأن الداعي له إليها أنه كان تحت ذلك الجدار كنز وكان ذلك اليتيمين في تلك المدينة وكان أبوهما صالحا ولما كان ذلك الجدار مشرفا على السقوط ولو سقط لضاع ذلك الكنز فأراد الله إبقاء ذلك الكنز على ذينك اليتيمين/ رعاية لحقهما ورعاية لحق صلاح أبيهما فأمرني بإقامة ذلك الجدار رعاية لهذه المصالح(تفسير كبير، ج ٢١ ص ٤٩٢، سورة الكهف)

[1] وقوله: وكان أبوهما صالحا فيه دليل على أن الرجل الصالح يحفظ في ذريته وتشمل بركة عبادته لهم في الدنيا والآخرة بشفاعته فيهم، ورفع درجتهم إلى أعلى درجة في الجنة، لتقر عينه بهم، كما جاء في القرآن ووردت به السنة .قال سعيد بن جبير عن ابن عباس: حفظا بصلاح أبيهما، ولم يذكر لهما صلاحا، وتقدم أنه كان الأب السابق، فالله أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج٥ ص١٦٨ ، سورة الكهف)

www.idaraghufran.org

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

روزہ اور مریض

اسلام کے پانچ ارکان میں سے روزہ بھی ایک رُکن اور فریضہ ہے، جو تندرست اور صحت مند لوگوں پر فرض ہے، اور مریضوں کے لئے روزہ رکھنے میں چھوٹ ہے، البتہ بہت سے امراض اور بیماریاں ایسی ہیں، جن میں روزہ رکھنا فائدہ مند اور بیماری کو دُور کرنے کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر امراض اور بیماریاں ایسی ہیں، جن کا سبب معدہ اور جگر کی خرابی ہے، اور معدہ اور جگر کی خرابی کی بڑی وجہ بسیار خوری یعنی کھانے پینے کی زیادتی کرنا ہے، اور روزہ رکھنا بسیار خوری سے بچاتا ہے، اس وجہ سے روزہ رکھنے سے جگر اور معدہ بہتر اور صحت مند ہوتا ہے۔

روزہ اور شوگر

آج کل جو امراض عام طور پر پائے جاتے ہیں، ان میں شوگر اور بلڈ پریشر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اور معالجین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذیابیطس (یعنی شوگر) کے مرض کے ہونے کی بنیادی وجہ نظامِ انہضام (Digestive System) کی خرابی اور جگر کے فعل (Liver Functions) میں خرابی ہے، اس تفصیل کے مطابق اگر ہاضمہ درست ہے، یعنی اگر مریض کا نظامِ انہضام (Digestive System) اور جگر کا نظام (Liver Functions) صحیح طرح کام کر رہے ہوں، تو ذیابیطس (یعنی شوگر) کے مرض کے پیدا ہونے اور بڑھنے کا امکان نہیں رہتا۔ جبکہ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ روزہ شوگر کے مریضوں کے لئے کئی طرح کی مشکلات پیدا کرتا ہے، جو کہ غیر طبی رائے ہے، البتہ مرض کی شدت میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے، تو اس میں شوگر ہی نہیں، بلکہ اسلام میں کسی بھی مرض کی شدت میں روزہ رکھنے سے چھوٹ دی ہے۔

تحقیق اور تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ روزہ رکھنے سے مریضوں کا شوگر لیول نارمل ہو جاتا ہے، جبکہ روزہ نہ رکھنے والے مریضوں میں گلوکوز (شوگر) کی سطح اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے۔

اگر مریض رمضان کے روزہ رکھے اور مناسب ادویات لیتا رہے، تو یہ اس کے لئے بہت فائدہ مند

ہے، کیونکہ شوگر کے مریض کے خون میں انسولین کی مقدار کم اور شوگر کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اور روزہ دار کے خون میں موجود یہ شوگر روزہ کے دوران آہستہ آہستہ استعمال ہوتی رہتی ہے، اس کے علاوہ روزہ کے دوران کھانا پینا نہ ہونے کی وجہ سے خوراک سے حاصل ہونے والی گلوکوز (شکر) کی مقدار روزہ کے دوران تقریباً بارہ سے چودہ گھنٹے تک ملنا بند ہو جاتی ہے، اور پھر سحری اور افطاری کے وقت انسولین کی مناسب مقدار مہیا ہو جانے سے جسم میں مثبت نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور مریض صحت یابی کی طرف چل پڑتا ہے، بلکہ اگر شوگر کا مریض رمضان کے علاوہ بھی روزہ رکھے تو نہ صرف شوگر لیول کنٹرول ہوگا، بلکہ شوگر کی وجہ سے ہونے والی کمزوری بھی نہیں ہوگی، اور قوت مدافعت بڑھے گی، اور شوگر کی وجہ سے ہونے والے دیگر امراض مثلاً جگر اور گردوں کی خرابی اور نظر کا کمزور ہونا وغیرہ بھی بڑی حد تک ختم ہوں گے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی مائیں

اسلام میں حاملہ خاتون، اسی طرح دودھ پلانے والی ماں کے لیے روزہ رکھنے میں چھوٹ بیان ہوئی ہے، حاملہ خاتون، اسی طرح دودھ پلانے والی ماں کے لیے روزہ رکھنا فائدہ مند ہے، یا نقصان دہ، اس کا تعلق ماں اور بچے کی صحت اور حمل کے مرحلے پر ہے۔

طبی اور سائنسی تحقیقات کے مطابق حاملہ ماں کا 8 گھنٹے سے زیادہ بھوکا رہنا بچے کے دماغ کی پرورش کو نقصان پہنچا سکتا ہے، کیونکہ اتنے دورانیے میں ماں کے خون میں سے گلوکوز اور انسولین پوری طرح استعمال ہو جاتے ہیں، بالخصوص حمل کے ابتدائی اور آخری تین مہینے زیادہ حساس ہوتے ہیں، اگر حاملہ اور دودھ پلانے والی روزہ رکھنا چاہے، تو سحری اور افطاری میں پروٹین کی اعلیٰ کوالٹی مثلاً مچھلی، چھوٹا گوشت، لوبیا، سویابین وغیرہ کے ساتھ ساتھ نشاستوں اور چکنائی سے بھرپور غذا استعمال کرے، اور اضافی غذا کے طور پر کیلشیم، وٹامن ڈی اور وٹامن بی 6 کے علاوہ وٹامن اے اور زنک کے مرکبات بھی استعمال کیے جائیں۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی ماں کے لئے پانی اور دیگر غذائی اجزاء کے ساتھ متوازن خوراک ضروری ہے تاکہ پانی کی کمی (یعنی ڈی ہائیڈریشن) اور کمزوری سے بچا جا سکے۔

﴿بقیہ صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

☐..... 5/شعبان المعظم بروز منگل، مفتی عبداللہ فردوس صاحب، بخشالی مردان سے مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے ادارہ تشریف لائے۔

☐.....6/شعبان المعظم، بروز بدھ حافظ ثناءاللہ اوران کے بھائی حافظ مدثر صاحبان کی تکمیلِ حفظِ قرآن مجید کے موقعہ پر دعائیہ تقریب ہوئی۔

☐.....20/شعبان المعظم، بروز بدھ شعبہ حفظ کا سالانہ امتحان ہوا، مولانا محمد ریحان صاحب اور مولانا غلام بلال صاحب نے شعبہ حفظ کی جماعتوں کا امتحان لیا۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۵۶ ''روزہ اور مریض''﴾

صحت مند انسان کی غذا اور روزہ

رمضانُ المبارک میں کھانے پینے کے اوقات میں جو تبدیلی آتی ہے، اس سے گاؤں دیہات میں رہنے والے لوگ کم، مگر شہری زندگی گزارنے والے زیادہ متأثر ہوتے ہیں، جو رات دیر تک جاگتے رہنے اور رات دیر تک کھاتے پیتے رہنے جیسی عادات میں مبتلا ہوتے ہیں، جو صحت کے لئے فائدہ مند نہیں۔ بہرحال افطار کے وقت یعنی سورج غروب ہونے کے بعد مسنون طریقے سے پانی، دودھ اور کھجور وغیرہ سے روزہ افطار کیا جائے، اور اس کے ساتھ مناسب انداز میں چاٹ، یا چند پکوڑے، یا ان کے برابر کوئی دوسری چیز مثلاً پھل اور شربت شامل کیے جاسکتے ہیں، اسی کے ساتھ یا پھر مغرب کی نماز کے بعد روٹی، سالن سلاد وغیرہ کی مناسب مقدار استعمال کرلی جائے، اور رات تراویح کے بعد بھی حسبِ ضرورت ہلکا پھلکا کھایا پیا جاسکتا ہے، اگر افطار کے وقت مناسب اور متوازن غذا اختیار کی جائے، تو بہتر ہے، نیز افطار کے وقت غیر مناسب غذا بالخصوص روزہ کھولتے وقت خالی معدہ یا نیم خالی معدہ چائے، بوتل، یا سگریٹ ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے، ورنہ کسی بُرے السر میں مبتلا ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔